

U17418

2-12-0

Title - Intikhab-e-Zameen

Author - Musattilaz Sayyed Raza Masri

Publisher - Nizami Press (Bardwan)

Date - 1926

Pages - 328

Subject - Urdu Sharqi - Intikhab.

عطیہ مولف حسن ما جب چہ  
سید علی



# انجائے بریں

مرتبہ

پیشکش کنندہ: مولف حسن ما جب چہ

پیشکش کنندہ: مولف حسن ما جب چہ

پیشکش کنندہ: مولف حسن ما جب چہ

۱۹۲۲ء

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

# تمہید

کسی قوم کی تہذیب و تمدن کے اندازہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہو کہ اس کے سرمایہ نظم کا مطالعہ کیا جائے۔

چند سالہ سائے گزشتہ سے میں یہ ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ ایک ایسا انتخاب شایع کروں جس پر ایک نظر ڈالنے سے میرے ہم وطن دوستوں کو اردو نظم کے بہترین حصہ کا لطف حاصل ہو جائے۔

یہ مجموعہ ”انتخاب زریں“ کے نام سے آج پیش کیا جاتا ہو نہ صرف ناظرین کے لطفن طبع کا سبب ہو گا بلکہ ان لوگوں کو جو اردو نظم کی خوبیوں کا ایک کثیر مفکر ہیں ثابت کر دینگا کہ وہ اس معاملہ میں غلطی پر تھے اور اس کے مطالعہ سے انہیں ہو جائیگا کہ اگر اردو شاعری کے بہترین حصہ کا کسی دوسری قوم کی اچھی سے اچھی نظم سے مقابلہ کیا جائے تو اول الذکر کا درجہ گرا ہو نہ رہیگا۔ خصوصیت یہ ہے اس بات پر غور کیا جاتا ہو کہ اردو وہ زبان ہو جس کا شمار زمانہ حال کی

شاعری کی جان سمجھ جاتے تھے لیکن افسوس کہ موجودہ زمانہ میں ان کا ہمارے جذبات پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس تذکرہ میں جگہ نہیں دی گئی ہو۔

اس وقت تک اردو نظم کے جس قدر انتخابات میری نظر سے گزرے ہیں

ان سب میں میرے معزز دوست اسٹرالیاس برنی پروفیسر معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی کے انتخابات جو حال ہی میں شایع ہوئے ہیں بڑا شنبہ بہترین ہیں۔ انھوں نے ہر صنف کی نظموں کو حد اگانہ حصوں میں ترتیب دینے کی جو تکلیف اٹھائی ہو، اس کی کافی طور سے اس کی داد نہیں دے سکتا۔ ان کی یہ کوشش جاری ہو اور وہ وقتاً فوقتاً اس کی اور جلدیں شایع کرینگے۔ اس کے مقابلہ میں اس مجموعہ کے پیش کرنے کے متعلق میری حقیر کوشش کچھ حقیقت نہیں رکھتی اور نہ وہ آئندہ جاری رہے والی ہو۔ میں نے شعرا کا مختصر حال اور ان کا کلام ان کے زمانہ کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ہو۔ یعنی ہندوئی شاعروں کو ان کی سن و قات کی ترتیب سے اور اپنے زمانہ کے تذکرہ شعرا کو ان کی سالانہ پیش کے لحاظ سے درج کیا ہو اگر میرے وہ دوست جو مجھ سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں اس رسالہ کو مطالعہ کرنے کے بعد مجھ سے اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ واقف ہو جائینگے تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری محنت پورے طور سے وصول ہو گئی۔

خاص

سید اس مسعود

حیدر آباد دکن ۲۸ اگست ۱۹۲۱ء



## حصہ اول

(۱) ولی دکنی ۱۷۲۶ء

ولی محمد یا ولی السد نام تھا بعض تذکرہ نویسوں نے ان کا نام مسالین لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ان کی ولادت اور وفات کے سال میں اختلاف ہے۔ بقول صاحب تذکرہ شعرائے دکن ولادت ۱۷۲۶ء مطابق ۱۷۴۳ء اور وفات ۱۷۵۵ء مطابق ۱۷۷۲ء میں ہوئی۔ یہی تاریخیں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں کہ ولی کا مولد اورنگ آباد دکن (تھا اسی وجہ سے وہ دکنی مشہور ہیں۔ وفات احمد آباد گجرات) میں ہوئی۔ ولی کو اردو شاعری کا "با و آدم" کہا جاتا ہے اگرچہ اردو زبان میں ردیف و قافیہ کے التزام کے ساتھ غزل سرائی کرنے والے

فلفل پروردگار شالی ہو بے گماں وہ جہاں میں غافل ہو ہر قدم تجھ گلی میں منزل ہو	رات دن تجھ جمال روشن کوں حُرکوں تجھ حسن کا نہیں ہو خبر عشق کی راہ کے مسافر کوں
	اوی وکی طرز عشق آسان نہیں آزمایا ہوں میں کہ مشکل ہو
(۳۳) غفلت میں وقت اپناں کھو ہیشیا رہو کت تک رہیگا خواب میں بیدار ہو بیدار ہو گردکھنا ہو بدعا اس شاہد معنی کا رو ظاہر پستیاں سوں سدا بیزار ہو بیزار ہو جیوں چتر داغ عشق کوں رکھ سچو اپنے اولاً تب فوج اہل در و کاسر دار ہو سر دار ہو وہ نور چشم عاشقاں ہو جیوں سحر جگ عیاں ای دیدہ وقت خواب میں بیدار ہو بیدار ہو	
	مطلع کا مصرعہ اوی وکی و در دنیاں کرات دن غفلت میں وقت اپناں نہ کھو ہیشیا رہو ہیشیا رہو
(۳۴)	

## (۵) غزل

نسیم ہر ترے کوچہ میں اوصیا بھی ہو ترا غرور مرا عجز تاج کا ظالم جلے ہی شمع سے پروانہ اورین گھسے زبان شکوہ سوا اب زمانے میں بہات	ہماری خاک دیکھو تو کچھ رہا بھی ہو ہر ایک بات کی ظالم کچھ انتہا بھی ہو کہیں ہو مہر بھی جگ میں کہیں فاجھی ہو کوئی کسی سستی ہم دیگر آشنا بھی ہو
---	---

ستم روا ہر سیروں پہ اس قدر صیاد  
چن چن کہیں بلبل کی اب نوا بھی ہو

## (۶)

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حجاب کا دو بخ مجھے قبول ہو ای منکر و نکیر خاف غصبت ہو کے گرم پر نہ رکھ نظر قطرہ گرا تھا جو کمرے آشکاب گرم سے ای برق کس طرح سے میں حیران تیرے گئے ناہ سبھی ہو نعمت حق جو ہر اکل و شرب	پانی بھی گئی ہیں تو مزہ ہو شراب کا لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا پر ہو شرار و برق سے دامن حجاب کا دریا میں ہو ہنوز پچھو لا حجاب کا نقشہ ہو ٹھیک دل کے مے اضطراب کا لیکن عجبت ہو شراب و کباب کا
--	---

تو دا نگاہ دیدہ تحقیق کے حضور  
جلوہ ہر ایک فرہ میں ہو آفتاب کا

## (۷)

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت میں ہوں

(۹)

خانہ در در چمن بیل تاج و صیبا دہم خندہ گل بے نمک فریا و بلبل نے اثر خاکساروں سے ملو فی کب ہو دنیا کی ہوا ذبح تو کرتا ہو کفن صفت گلے گلشنی سے جبستی مجنوں کیا اپنے قدم کے فیض سے فرخزل سکتے اسپیری سے تیری اور سو قد	اتنی خدمت دگر ہو میں گل سستی آنا دہم آہ اس گلشن سے جا کر کیا کریں یاد دہم راہ میں تیری گئے جوں نقش پا برباد دہم عید قرباں کی تجھے لے لیں سا رکبا دہم خانہ ذخیر رکھتے ہیں سدا آباد دہم طوق تیری کی طرح رکھتے ہیں زاد دہم
--	--

اگر جنوں مہر سے ترا ستودا کا ہنر بخیر پا  
قید سے تیری نہیں ہوتے کیا لب زاد دہم

(۳) خواجہ میر درد (۱۸۵۷ء)

خواجہ میر دہلوی۔ غزل میں تصوف اور معرفت کے پاکیزہ مضامین نظم  
فرماتے تھے اکثر چھوٹی چھوٹی بحر میں طبع آزمائی کرتے تھے کلام میں سنجیدگی  
اور متانت کا لحاظ رکھتے تھے فارسی کے عارفانہ خیالات کو اردو زبان کی لباس  
پہنانے میں انہوں نے جو صفائی اور سادگی برتی اور وہ ان کے دیوان  
اردو سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے دہلی کے اجڑ جانے پر اکثر شریف خانہ لکھنؤ



خفا سے غرض امتحانِ وقت ہے	تو کہہ کت ملک زما تا رہیگا
نفس میں کوئی تم سے ایسا صغیر و	خبر گل کی ہم کو سناتا رہیگا
خفا ہو کے اوروں کو چلا تو	کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہیگا

(۱۲)

وہ دن کہ دھڑکے کہ ہمیں بھی فراغ تھا	یعنی کہہ دو تو اپنے بھی دل کا داغ تھا
اجلتا ہوا بپا خنِ خاشاک میں ملا	وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا
گزروں ہوں غمِ خرابی پہ کہتے ہیں کس کو	ہر کوئی دن کی بات یہ گھٹھا بیباغ تھا

(۱۳)

نہ مطلب ہو گدائی سے نہ یہ خواہش شاہی ہو	الہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضی الہی ہو
بگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہو	کہ ہو نام اور کار و بار اپنی رہا ہی ہو
نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہو	گلاب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

(۱۴)

سہر پہ تھا نیستان تیرے ہی اشکِ غم سے	تھے سیکڑوں بنی لے وابستہ اک دم سے
واقف نہ یاں کہ سو سے ہم ہیں کوئی ہم سے	یعنی کہ آگئے ہیں بجے ہوئے عزم سے
میں گونہیں ازل سے پرتا اب ہوں باقی	میرا حدوث آخر جا ہی بھر تقدیر سے
اگر چاہیے تو لیے اور چاہئے نہ لیے	سب تم سے ہو سکے ہو مگر نہیں ہم سے

دہلی میں پیدا ہوئے۔ قدیم وضع کے بزرگ تھے آپ نے ابتدائیں میرزا رفیع  
سودا سے اصلاح لی اس کے بعد خواجہ میر درد سے استفادہ سخن چل کیا اور سب سے  
آخر میں ضیا رالین۔ ضیا دہلوی کے شاگرد ہوئے دہلی چھوڑنے کے بعد آپ نے  
قیص آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں نواب سردار جنگل کے مصاحبوں  
میں داخل ہو گئے تھے یوں تو میر حسن جملہ اصناف سخن پر قادر تھے۔ مگر شہنشاہ بدیع  
آپ کے کمال شاعری کا نئے نظیر نہ ہوا جس میں جذبات انسانی کی تصویر پچھلے  
طریقے سے کھینچی گئی ہو کہ زمانہ حاضرہ میں بھی وہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی  
ہو کہنے کو تو بدیع میرزا ایک فرضی قصہ نظم کیا ہو لیکن اس میں قدرت کے مناظر انسانی  
فطرت کی بولتی چالنی تصویر غم و سرخ کے جذبات۔ شادی اور حسرت کے کوائف کو  
جس غم میں سے دکھایا ہو اس کی متقدمین اور متاخرین میں مثال نہیں ملتی آصف اللہ  
نے اس شہنشاہ کے صلی میں ایک قیمتی و شمار عطا فرمایا میر حسن نے ۱۲۰۰ھ مطابق  
۱۷۸۶ء میں وفات پائی شہنشاہ کا انتخاب یہ ہو

(۱۶) غم بھر

بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار زباں پر ہیں باتیں لے ول اس نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر اگر سر کھلا ہو تو کچھ غم نہیں جو ہستی ہو وودن کی تو ہو وہی	اکسی کو کوئی دیوے جیسے فشار پر آگندہ حیرت سے ہوش و حواس نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر چمکاتی ہو بیسی تو محرم نہیں جو نگاہی نہیں کی تو بو نہی سہی
--	---

۱۸۱۲ء  
میرزا رفیع  
ضیا رالین  
خواجہ میر درد  
نواب سردار جنگل  
آصف اللہ  
۱۲۰۰ھ مطابق  
۱۷۸۶ء

چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی  
عجب ایک عالم تھا بے ساختہ

کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی  
کہ عالم کا تھا اس سے دل باختہ

## (۵) قایم ۱۹۴۷ء

شیخ محمد قایم نام تھا قصبہ چاندپور ضلع بھوڑہ میں کھٹک کے رہنے والے تھے ابتدا میں غلام  
نبرد سے مشورہ سنی رکھتے تھے پھر میرزا رفیع سودا کے شاگرد ہوئے ان کا شمار  
ریختہ کے اُستادوں میں ہو سلاست اور صفائی ان کا حصہ تھی ان کے بعض اشعار  
غزب اہلش کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں مثلاً

درو دل کچھ کما نہیں جاتا

آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

اپنے وطن میں ۱۹۴۷ء میں انتقال کیا ایک مکمل دیوان چھوڑا  
کوئی صنف کلام ایسی نہیں ہے جو اس دیوان میں نہ ہو لیکن دیوان کے مطالعہ  
سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل اور مثنوی سے اس شاعر کی طبیعت کو بہت لگاؤ رہا ہے  
ان کا دیوان ہنوز طبع نہیں ہوا عرصہ ہوا ایک انتخاب مولانا حسرت نے شائع  
کیا تھا اور دوسرا انتخاب ممتاز اشعار کے نام سے نواب عماد الملک بہادر گلبرگامی  
نے ترتیب دیا ہے جو مدرس یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہے۔

(۲۰ غزل)

مجھ سا کوئی حیاں میں آئ شفقہ سر نہیں  
ہر یوں تو لیتا رہی پراس قدر نہیں

قسمت تو دیکھ بار بھی اپنا گراؤ واں پہاڑے ہمیشہ ایک ہی بخش ہو کچھ بھی ملنے	جس وقت پہنچے میں کی کارواں ہے ناخوش کبھی ہوئے تو کبھی مہرباں رہے
--	---

مسجد سے گزرتے نکلا ہمیں تو کیا  
قائم وہ مرفوش کی اپنی دکاں ہے

(۶) سوز ۹۷۷

سید محمد نام تھا قراول پور ضلع شاہ جہان آباد کے ساکن۔ ان کے کلام  
میں ان کے قصص کا پورا اثر نمایاں ہے یعنی ان کا شعر سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے  
۹۷۷ء مطابق ۱۳۹۶ھ میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا۔

۲۔ غزل

دیکھ دل کو چھیر مت ظالم کہیں دکھ جائے گا  
ہاں بغیر از قطرہ خوں اور تو کیا جائے گا

قتل کی نیت تو کرایا ہے تو کیا دیر ہے  
ہاں مگر تو مار کر ظالم بہت پچھتائے گا

پھر بھی کہتا ہوں تجھے آسوز کو یوں مت ستا  
مت ستا ظالم! کہیں تو بھی ستایا جائے گا

ہیں کلام گونا گوں جذبات سے برہنہ ہو غزل گوئی میں عین عشق کے علاوہ اخلاق  
فاسفہ حکمت کے مضامین پائے جاتے ہیں اُردو غزل میں آپ کا وہ رتبہ ہو جو حضرت  
سعدی کا فارسی غزل میں۔ ان کے کلام میں سادگی کے ساتھ وہ درد بھی ہو جو کسی  
دوسرے شاعر کے کلام میں شاذ پایا جاتا ہے۔ آخر عمر میں خاک اودھ کی کشش نے  
کھنڈ ہو بیجا دیا تھا وہیں سو برس کی عمر پر ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں وفات پائی  
پانچ دیوان مطبوعہ موجود ہیں حال میں انجمن ترقی اُردو نے کلام میر کا عمدہ انتخاب شائع  
کیا ہے جس کے ساتھ مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن کا عجیب مقدمہ  
شامل ہے آپ کا تذکرہ نکات الشعرا بھی جن میں اپنے معاصرین کے حالات درج کیے  
ہیں طبع ہو چکا ہے نمونہ کلام یہ ہے:-

### (۲۶) غزل

<p>کُل اُس پہ ہیں شور ہو پھر نہ گری کا چلتا نہیں کچھ آگے تری لکبڑی کا اسبابِ لٹا مارہ میں یاں ہر سفری کا اب سنگِ مداوار اُس آشفقہ سری کا انصاف طلب ہو تری بیداری کا آئینے کو لپکا کر پریشاں نظری کا مقدور نہ دیکھا بھونے بال و پری کا</p>	<p>جس سر کو غور آج ہو یاں تاج وری کا شہرِ منہ ترے رخ سے ہو خمار پری کا آفاق گی منزل سے گیا کون سلامت نہدال میں بھی شورش نہ گئی اپنے جھول کی ہر زخمِ جگر اور محشر سے ہمارا اپنی تو جہاں آنکھ لٹی پھر وہیں دیکھو صد موم گلِ ہام کو تیرے بال گنڈے</p>
---	--

تھا پتہ تریک بادیر اک وقت کارواں	یہ گرد باد کوئی بیاباں نہ رہا تھا
گذری مدام اس کی جوانان مستیں	پیر مٹاں بھی طرفہ کوئی پیر مرد تھا
عاشق ہیں ہم تو پیر کے بھی ضعیف عشق کی	
دل جل گیا تھا اور نفس کب پر سر دھکا	

( ۲۹ )

جو اس شور سے میر روتا رہیگا	تو ہمسایہ کا ہے کو سوتا رہیگا
مجھے کام رونے سے اکثر ہر نا صبح	تو کب تک مئے منہ کو دھوتا رہیگا
مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے	جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا
میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے	
جسے اب ہر سال روتا رہیگا	

۳۔ قطعہ

کل پاؤں ایک کا نہ سر پر جو آ گیا	یکسروہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے حل راہ بے خبر	میں بھی گھجھو کسو کا سر پر غور تھا
تھا وہ تو رشک جو ہشتی ہم ہی تہ	سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

( ۳۱ )

اٹھی ہوئیں سب بیریں کچھ نہ دوانے کام کیا

یاں کے سفید و سیاہ میں ہم کو خل جیو سوا تننا ہو  
 رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں تولں شام کیا  
 صبح چمن میں اس کو کہیں تخلیف ہوا لے آئی تھی  
 رُخ سے گل کو بول لیا قامت سے سرو غلام کیا  
 ساعیہ میں دونوں اس کے ہاتھ میں لاکر چھوڑ دیے  
 بھولے اُس کے قول و قسم پر اے خیالِ خام کیا  
 کام ہوئے ہیں سارے فناء ہر ساعت کی سماعت سے  
 استغنا کی چوکنی اُن نے جوں جوں میں ابرام کیا  
 ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھوئی مشکل تھی  
 سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

مریم کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہوانے تو  
 قشتہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

(۳۱)

پتہ پتہ، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہو  
 جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جا ہو  
 گئے نہ دے بس ہو تو اس کے گوہر گیش کو بائے تک  
 اس کو فلکِ شہم مہ و خور کی تیلی کا مارا جانے ہو

دردِ آبِ تینغ کو اس کے آبِ گواہ جانے ہی

## (۸) جرات نامہ

شیخ قلندر بخش دہلوی۔ بذلہ سنج لطیفہ گو معاملہ بند شاعر تھے۔ سلیمان شکرہ  
نواب اودھ کی ملازمت میں داخل تھے عالم شباب میں بیٹائی جاتی رہی تھی طبیعت  
کو رنگ تغزل سے خاص مناسبت تھی حکن و عشق کے واقعات اور عاشق و  
معشوق کے راز و نیازان کی مشاعری کا جزو اعظم ہیں طبعی استعداد کم تھی۔ بلکہ  
صاحب تذکرہ آبِ حیات نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عربی زبان سے  
نابلد تھے ۱۸۱۱ء مطابق ۱۲۲۲ھ لکھنؤ میں وفات پائی بعض غزلیات میں  
ایک ہی مضمون لکھا ہے۔ ایک موقع پر اپنے دل سے خطاب ہو کر کہتے ہیں۔

### (۳۲) غزل

اب اذیت میں بھلا ہم ہیں گرفتار کہ تو جا کے ہم رہتے ہیں پر ویش یار کہ تو کفِ افسوس اب ہم ملتے ہیں ہر بار کہ تو اب بھلا بیٹھے ہیں ہمیں گنہگار کہ تو میر اندوہ سے اب ہم ہوئے سرشار کہ تو	ای دلا ہم ہوئے پابندِ غم یار کہ تو ہم تو کہتے تھے نہ فائن ہو اب تنا تو بتا ہاتھ کیوں عشقِ بتاں سے نہ اٹھا یا تو نے وہی محفل ہے وہی لوگ وہی ہے چہ چا ہم تو کہتے تھے کہ بس نہ لگا سا عشق
---	--



میں طالب علمی کرنے کو دہلی آئے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی آصف الدولہ کے عہد میں کچھ نہ ہو چہ میز راہی ملان ش کوہ کی ملازمت کے زمانہ میں سید انشاء سے متقابل ہوئے کسی کے شاگرد نہ تھے مگر زبان میں ستودا اور تیسر کی پیروی کرتے تھے فارسی میں بھی صاحب دیوان تھے اردو میں چھ دیوان تصنیف کیے تھے مشکل زمینوں میں عہدہ شعر نکالتے تھے ٹھیک سنہ وفات معلوم نہیں ہوا لیکن یہ مسلم ہو کہ وہ انیسویں صدی کے عشر اول میں زندہ تھے اس لیے ان کو میر اور جرات کے بعد جنھوں نے ۱۸۱۰ء میں وفات پائی ہو جگہ دی گئی۔

(۳۵) غزل

<p>آتشِ مریخ پہ صبا طیش سے دامن مارے اور نظارہ ترا دیدہ روزن مارے خاک پڑے کوٹے بیٹھے ہیں سن مارے ہاتھ پہلا تھ نہ کیوں شیخ و بہن مارے قیس کی طرح پڑے پھرتے ہیں بن مارے قافلے لوٹ لیے سیکڑوں بہن مارے</p>	<p>لا ف خوبی ترے ماریں پوچھ گشتن مارے کیا غضب ہو جو تیغ غم میں کھلے بال پھر مارے ہر پہ خوش حال اُنھوں کا جو ترے کوچہ میں مارے دشمن و دوست کو الفت نے تری کیا مارے ہم ترے واسطے ای غیرت ایلیا کیب تک مارے وہ جو نکھیں ہیں تری رہن و خوین کافر مارے</p>
---	---

ضبط سے متصفح اب کام مراد گزرا  
کب تک غم میں کسی کے کوئی تنہا مارے

بلین و ہر ہوا و مصحفی تو لاشک و ریب  
چوتھے فصیح وہ بندے تری زباں کے ہوئے

## (۱۰) انشاء ۱۸۱۸

سید انشاء اللہ خاں - دہلوی - نواب سادات علی خاں بادشاہ اودھ  
کی مصاحبت میں داخل تھے ان کی جامعیت اور علمی قابلیت کم نہ تھی مگر کھڑک کا لنگ  
دیچہ کر ظرافت پر اتر آئے تھے پھر بھی ان کے کلام میں جدت اور انداز بیان کا  
خاص لطف پایا جاتا ہو اور زبان میں سب سے پہلے مرث و نحو کے قواعد مضبوط  
کیے ہو وریائے لطافت و جس کی زبان فارسی ہوا ان کی مصنفہ ہوا نے رنگ  
کی پہلی کتاب ہو جس میں عروض معانی و بیان سب کچھ موجود ہو یہ کتاب حال میں  
انجمن ترقی اردو کے زیر نگہ رانی اردو میں شائع ہوئی ہو حضرت انشاء کا کلیات علم  
ادب کا عجائب خانہ ہو جس میں دیوان ریختہ - دیوان بیچتی بہیلیاں - طلسمات  
کے نسخے پشت تو کے قواعد - فتویات گرمی کی شکایت - بحرول - کھملوں پسوول  
کے بیانات حکایتیں معنی جیستاں شامل ہیں جو ان کی خدا داد و ذہانت اور علمی  
قابلیت کا ثبوت پیش کرتی ہیں کوئی ایسا رنگ نہیں جو کلام میں موجود نہ ہو  
۱۸۱۸ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں وفات پائی  
(۳۶) غزل  
نچھے رونا آتا ہو شمع سحر پر - اکہ بیچاری اب مستعد ہو سفر پر

کہیں ہیں صبر کس کو آہ! تنگ و نام کیا شہ ہوا  
غرض روپیٹا کر ان سب کو ہم ک بار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یار و  
جسے پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

انہی یہ وضع شرمانے کی سیکھی آج ہو تم نے  
ہمارے پاس صاحب و رتن یوں سو بار بیٹھے ہیں

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے بھلا انشا  
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

( ۳۸ )

<p>کہ پڑا ہے آج خم میں قلع شراب اٹا کبھی بات کی جو سیبھی تو ملا جواب اٹا نہ ہوا ثواب حاصل یہ ملا عتاب اٹا کہیں ہی کرے کہ ہوئے بہار خواب اٹا جو زمیں پہ پھنکے قلع شراب اٹا وہی بیج بھی کرے ہو وہی لے ثواب اٹا اے لو دیکھو کچھ تماشائیں سنو عتاب اٹا وہ گنہ تو کہدوں سے یہ ہوا خراب اٹا</p>	<p>مجھے کیوں نہ آوے ساقی نظر آفتاب اٹا عجب اٹے ملک کے ہیں اجی آپ بھی کہ تم سے پہلے تھے حرم کو رہ میں تھے کہ تم کا شوق پیش گنہ مشنہ دیکھا وہ خفا سے کچھ میں گویا ابھی جہر لگا دے پائش کوئی نہ تھے گنہ یہ جہر بیاہرا ہے کہ بروہر عیب تو رہا ہوئے دھڑک پر جو چھوٹے تو نہیں مکتور کڑے پیپ دیکھتے کیا عریضے کے گئے کو</p>
---	--

(۳۹) برسات کا تماش	
سانوں کی کافی راہیں اور بروج اٹھارے لیٹے گلے سے سوتے معشوق ناہ پایے	جگنوں چلتے پھرتے جوں آسمان پہ تارے گرتی ہو چھت کسی کی کوئی کھڑا ہکا رہے
۲ پارہیل کے دیکھیں برسات کا تماش	
باتوں میں ہر اک پھلوں کی لال چٹیاں ان کی ندوں جاو پر پوندیں میں مینہ کی چٹیاں	جلی جیتی پھرتی اور لگے ہی ہو چٹیاں سیریں ہیں یا ہزاروں اب موتیوں کی تہاں
۱ پارہیل کے دیکھیں برسات کا تماش	
(۴۰) تاج گنج	
یا روجو تاج گنج یہاں آتشکار ہے خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے ایسا چمک رہا ہو تجلی سے یہ مکان ایسا ہلال اس میں سنہرا ہو دل پسند	مشہور اس کا نام بہ ستر و دیار ہے روضہ جو اس مکان میں نہ پایا کنا رہے جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے ہر بار جس کے خم پہ مہر فونٹا رہے
تعریف اس مکان کی میں کیا کیا کر و نظر اس کی صفت تو مشہور روزگار ہے	

کیا تھال کٹورہ جی ندی کی کیا پٹیل کی ڈیا دکھنی	اب کوئی گھڑی پر ساعت میں کھینچن کی پڑ
سب ٹھاٹھ پڑا رہا وگیا جب لا دھلیکا بنجارا	
یہ وہوم دھکا کھلیے کیوں پھر تازہ جنگ جنگل	اک تنکا سنا نہ جا وگیا موقوف بل جب ان اوبھل
گھر بار ماری جو پاری کیا خاموشی کھل دھل	کیا چلوں پر دروش نے کیا لال لال لال رنگ گل
سب ٹھاٹھ پڑا رہا وگیا جب لا دھلیکا بنجارا	
کچھ کام نہ وگیا تیر پہ لعل وزر و سیم وزر	جب پونجی بات میں کھینچی ہنسی کی جان پور
نوریت لگا رہا ان نشان و نشانی جیسے	کیا مسند تکیہ لکے مکان چو کی رسی تخت چھتر
سب ٹھاٹھ پڑا رہا وگیا جب لا دھلیکا بنجارا	
کیوں جی پر بوجھ ٹھاتا ہوں فکرت کھلی	جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر وہ پہنچے باجکے
کیا سار جڑا و زریور کیا گوٹے تھان کی رسی	کیا گھوڑے نے پن نہر کی کیا پاتھلی اعل عاری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہا وگیا جب لا دھلیکا بنجارا	
مغرور نہ ہوں ملار و ن نہت بھول بھر و دھالوں کے	سب ٹھاٹھ پڑا رہا وگیا جب لا دھلیکا بنجارا
کیا دیے موتی ہیر کی کیا ڈھیر کرنے والوں کے	کیا بیچے تاج بھر کے کیا تے نشان نہ لہوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہا وگیا جب لا دھلیکا بنجارا	
کیا سخت کہاں بنو تاج کھنڈے تن کا ہی پولا	تو اونچے کوٹ ٹھاتا ہوں گھر گھسے نے نہ کھولا
کیا زنی خنڈی نہ پڑے کیا بیج گنگوڑا اٹھولا	گھر کوٹ پہ کھڑ توپ قلعہ کیا شیشہ زار و گولا

(۴۲) غزل

مرا سینہ ہر مشرق آفتابِ اغہجراں کا  
کسی نیرِ شہید کو چاہئے آج کھینچا ہو  
شفق سمجھا ہوا اس کی ایک لمبے بیدوی  
سینچانہ مرا روشن ہوا ویران ہونے سے  
وہ شوخ فتنہ انگیز اپنی آنکھوں میں سما یا ہو  
کفن کی چپ بندھی کھینا ہوں کفنِ مرقبہ  
مرا ویرانہ مثل آئینہِ سمیرا حیرت ہو  
کسی سے دل نہاںِ شست سرا میں بیخ انگیا

طالعِ صبحِ محشر چاک ہو میرے گریباں کا  
کہ نورِ صبح صادق ہو غبارِ اپنے بیا باں کا  
فلک پر گر بگولا جا لگا خاکِ شہیدیاں کا  
کیا دیوار کے زخموں نے یاںِ لم چلے غاں کا  
کہ لگ گوشہ ہو محلِ قیامت جس کے دماں کا  
تو عالم یاد آتا ہر شبِ شبابِ حیراں کا  
یقین ہر رخسہ دیوارِ تیرہ چشمِ حیراں کا  
نہ الجھا خار سے وہن بھی میرے بیا باں کا

تہہ شمشیرِ قابل کس قدر بیتاش تھا نسخ  
کہ عالم ہر وہاں زخم پر ہو روئے خنداں کا

(۴۳)

یہ نورِ ہر روئے مجھ میں کار کہ ہو محفلِ چاند چو دھویں کا  
جو حلقہ ہو زلفِ غنیر کا - وہ ایک نافرہر مشکِ حیراں کا  
یہ اُس کی ہر سا عدول کا عالم کہ جس نے دیکھے ہوا وہ بے دم

## غزل (۴۴)

سنگ گر سینے میں اس کے عوض دل تپا  
گھر سے جب میر کو بھڑکے نکلتی لیبلی  
بیٹھ جانا لب فروش آکے اگر ایک گدا  
دل میں کہاں ہی باسیں چین کا اس رنگ  
اس کی بدھی کے لیے بھول میں چننا چننا  
کار عشاق نہ اس مرتبہ مشکل ہو تا  
نچا کے رخ پہ اٹھا پردہ محفل ہو تا  
اس میں نقصاں نہ کیا جب محفل ہو تا  
کہ مرے ساتھ وہ زمیندہ شامل ہو تا  
ہاتھ اس کا مری گردن میں حائل ہو تا

عام ہیں اس کے تو الطاف ہمدی سب پر  
تجہ سے کیا قدر تھی اگر تو کسی فتا بل ہو تا

( ۴۵ )

غضب ہر دم بت کا فریب اپنا دم نکلتا ہے  
نہ رکھ اٹھوں پہ میری استینا لطف ادا ہے  
دکھا کر اپنی آرائش پر ہی مجھ کو نہ دھوکا ہے  
وہ کب خاطر میں لانا ہر دم کے زردہ ہو کو  
بچھکا اجنبی میں جس دل کا راز کہتا ہوں  
بنا دیتا ہر کوچہ فقر کا پیر کو بھی سیدھا  
نیا تابوت اس کے کیچے سے ہر دم نکلتا ہے  
کہ اشک سخن کے ہمراہ دل کا غم نکلتا ہے  
کسی کے سادہ پن میں ہی عالم نکلتا ہے  
سمجھ رکھا ہے ظالم نے مہینسا دل کی نکلتا ہے  
نجل ہو تا ہوں کیا کیا جب ترہا حشر نکلتا ہے  
کھنچا جب ہنتری تین رکاب سب ختم نکلتا ہے  
شہید سے نہیں وقت مگر اتنا تو وقت ہے

<p>ہے چہن ساہوگر و بچہ و کچھ اور تو وقت نہیں          بھر حوادث کا یہ شور با و مخالف کا وہ زور          بخت سید کامر تیرا کچھ یاد نکھڑا          تارک شبہ ہر خطر کوئی نہ پار و راہبر          مدت ہم ہیں افسوس اکام صغیر کیا خبر          سو بار پہل میں چکا خویش مت لہو چرا          شیدہ بھی ہر ساقی بھی ہر شرب بھی پہن</p>	<p>سفتون جی کسچ ہو دل ہو گیا مال کہاں          کشتی بھی جی ہو جوں میں ہاتھ لائے اس حال کہاں          اُس سے تھنا نہ وہ کسچ پر بنیا مال کہاں          دیکھیں ہم نے یا دیکھتے ہیں لہن مال کہاں          فتنے کدھر کو ہیں لگے لگے ہیں کھل کہاں          لیکن سمجھتا ہو بھلا اپنا دل جاہل کہاں          وہ خوبی نکلی کہاں وہ رفتی نخل کہاں</p>
---	--

کچھ عقدہ مشکل کا تو ممنون اندیشہ نہ کر  
 مشکل کشا جب سر پہ ہو رہی ہو کھل کہاں

## (۱۵) آتش ۱۸۶۷ء

آتش - خواجہ حیدر علی ولد خواجہ علی بخش دہلوی ۱۸۶۷ء میں بمقام کچھو پہنچا مرنے  
 وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ان کے والد نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی خواجہ حبیب  
 زید مشرب، آزاد مزاج، شوخ طبع مٹا کرتے۔ فن سخن میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے  
 تلمذ حاصل تھا۔ شیخ ناسخ کے ہم عصر تھے بہت زبان اور صفائی کلام نے لکھنؤ میں  
 ان کی جادو بیانی کے ٹکے بجا و پہنچے تھے۔ غزل میں حسن و عفت کے علاوہ اخلاقی مضامین



رنج سے عشق کے ہر راحت و نیا بد تر  
 پاس حوائج جو لوہے کے چنے بھی چھپاؤں  
 ملتی ہو مانگنے سے مانع جہاں میں جو مراد  
 جاوے ہم سے رکے کا نہیں ست جنوں  
 بخت و اندوں نے زباں کو یہ اثر بخشنا ہو

✓ کب سے در پر ترے سائل ہوں آتش کی طرح  
 وہ لے مجھ کو کچھ اسی شہ جو باں مانگوں

## (۱۶) گویا سلسلہ

نواب فقیر محمد خاں گویا واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کا زمانہ پایا تھا صاحب نے ان  
 تھے ان کا دیوان ۱۲۷۳ھ میں مرتب ہو چکا تھا لیکن اس کے طبع کی توثیق ان کی وفات  
 کے بعد آئی سب سے پہلی مرتبہ اس کو ۱۸۸۵ء میں مطبع نو لکھنؤ نے کانپور میں چھاپا تھا۔  
 ۱۸۹۵ء مطابق ۱۲۷۳ھ میں انتقال ہوا غزل کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

(۴۹) غزل

پھر مرا جوش جنوں سلسلہ جنباں ہوگا  
 پھر یہ دل شیفہ زلف پریشاں ہوگا

پھر مرہ عشق کا چمکے گی مرے زخمِ جگر | ہاتھ میں پھر مرقا قاتل کے نکلاں ہو گا

ان دنوں پھر تھے گویا ہر چوکی سی لگی  
پھر ارادہ طرب ملک خوشنشاں ہو گا

(۱۷) مومن ۱۵۲۷ء

حکیم مومن خاں ولد حکیم غلام نبی خاں دہلوی خاندانی شریف اور طبیب تھے  
ان کے اسلاف کشمیر سے دہلی آئے تھے اور شاہ عالم کے عہد میں موضع بلاہہ برگٹہ  
نارنول (پنجاب) میں انھیں جاگیر عطا ہوئی تھی ۱۷۳۷ء میں پیدا ہوئے شاہ نصیر کے  
نشاگرد تھے مگر تھوڑے دنوں بعد انھیں اپنا کلام دکھانا چھوڑ دیا اور اسی مشق  
سخن بڑھائی کہ خود استاد ہو گئے۔ وارفتہ طبیعت عاشق مزاج آدمی تھے۔  
نانک طبع عالی خیال تھے غزل کے علاوہ قصائد میں بھی ان کا خاص رنگ تھا  
اور فنون میں تو وہ رنگ اختیار کیا ہر جہے مثل ہر ان کا تخیل اعلیٰ درجہ کا ہو  
غالب کے کلام کی طرح ان کا کلام بھی ابھی بُرا نا نہیں ہوا جب طریقیہ نیا لطف آتا ہو  
۱۷۶۵ء مطابق ۱۱۸۵ھ کو کوٹھڑے سے اگر ۳۵ سال کی عمر میں جو ان فوت ہوئے یوں

(۵۰) قطعہ

موجود ہر | و زوہان عابد و زاہد کہ سب جیسے  
کہتے تھے مومن اور بہت دیندار تھا

ہوئے اتفاق سے گرہم تو وفا جتانے کو دم بدم  
 گلہ ملا مت اقربا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
 کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بُری لگے  
 تو بیان سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
 کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی  
 کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
 سنو اذکر ہر کئی سال کا کہ کیا اک اپنے وعدہ تھا  
 سو نہا ہے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
 کہا بات میں نے وہ کوٹھے کی ترے دل سے صاف اڑ گئی  
 تو کہا کہ جانے مری بلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
 وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا  
 وہ نہیں نہیں ہر آن ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے یا خدا جسے آپ کہتے تھے یا وفا  
 میں وہی ہوں مومن مثلاً تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

دفن جب گوریں ہم سوختہ ساتھی لگے  
 افسانہ ہی کے گل شمع شبتاں ہو گئے

# (۱۸) تسکین ۱۸۵۲ء

میر حسین ولد میر حسن عرف میرن صاحب ان کا سلسلہ نسب میر حیدر شاہ  
 نمک پہونچتا ہے جو حسین علی وزیر فرخ سپہر کا قاتل تھا حضرت تسکین شاہ ۱۲۷۰ھ میں  
 دہلی میں پیدا ہوئے فارسی مولوی امام بخش صاحب صہبائی دہلوی سے پڑھی  
 ابتدا میں شاہ نصیر دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے رہے پھر حکیم مومن خاں صاحب  
 مومن دہلوی کے زمرہ ملازمہ میں داخل ہو گئے معاش کی تلاش میں کچھ دنوں  
 نمک کھنڈ میرٹھ وغیرہ قیام رہا پھر رام پور میں ملازم ہو گئے اور ۱۲۷۵ھ میں وہیں انتقال  
 کیا پچاس سال کی عمر لائی انھوں نے شاہ نصیر مرحوم کا دیوان ترتیب دیکر آمد و کی  
 ادبی دنیا پر بڑا احسان کیا ہے ترکیب بندش اور میدان خیل میں اپنے استاد  
 کے نقش قدم پر چلتے تھے ان کا دیوان نایاب ہے کلام یہ ہے -

## (۵۳) غزل

گر سکے دفن نہ اُس کو چہ میں اجا بھجے  
 ہاجر میں پاس نہ ہے نہر نہ خجرا فسوس!  
 فاصد آیا ہے وہاں سے تو دنیا تھم رہی  
 تا تسکین پہ بیض منون پیش آزیبا  
 خاک میں دل کی کدورنے دیا دا بھجے  
 نہ دیئے موت کے بھی حیرت نہ سب آ بھجے  
 بات تو کرنے دے اس دل بیتا بھجے  
 تھا تخلص جو متر و ار تو بے تاب بھجے

کپیں گرزندہ در گورای تو پیراب وہ تو زیبا ہو  
کیا ہو میں نے پیدا سنگ مرقد خجالت ہو کر

## (۲۰) ذوق ۱۸۵۵ء

شیخ محمد ابراہیم ولد شیخ محمد رمضان دہلوی ارزی الحجۃ ۱۲۸۵ھ کو پیدا ہوئے  
شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی نے ۱۹ سال کی عمر میں خاقانی  
ہند کا خطاب دیکر اپنے دربار کا ملک اشعار بنا دیا۔ ابو ظفر بہادر شاہ ولیعہدی کے زمانہ  
میں ہی ان کے شاگرد ہو گئے تھے کلام میں عاشقانہ معاملہ بندی اور زندانہ مضامین  
کی شوخی کی نسبت متانت زیادہ ہو۔ زبان کی صفائی محاورہ بندی اور پندشوں کی  
چستی کا ان کو خاص خیال ہو غزلوں میں مختلف مواقع پر ضرب المثال کو نظم کرنا  
انھیں کا حصہ ہوا ان کے قصائد خاص طور پر ممتاز ہیں۔ ۲۴۰ صفحہ ۱۲۸۵ھ کے اقبال  
کیا۔ پروفیسر آزاد نے لکھا ہو کہ مرنے سے تین گھنٹے قبل یہ شعر تصنیف کیا تھا۔  
کہتے ہیں ذوق آج جاں سے گزر گیا  
کیا خوب آدمی تھا خدا منفرت کے

ان کا ایک مختصر دیوان اردو جسے حافظ غلام رسول ویران نے ۱۲۸۵ھ میں  
ترتیب دیا تھا عام طور پر مانج ہو ۱۸۹۰ء سے کچھ قبل اس دیوان کو بہت سی  
غزلوں اور مضامین کے اضافہ کے ساتھ پروفیسر آزاد نے ترتیب دیا جو لاہور

آنکھیں می تو ویسے وہ دلہائے تو اچھا  
 جو چشم کے لئے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر  
 بیمار محبت سے لیس تیرے سنبھالا  
 ہو تجھ سے عیادت جو نہ بیمار کی اپنے  
 کھینچے دل انسان کو نہ وہ زلف سید فام  
 او گریہ نہ رکھ میرے تن خشک کو غواب  
 تائیر محبت عجب اک حب کا عمل ہو  
 فرقت سے تری تار نفس سینے میں میرے  
 ہاں کچھ تو ہو حاصل فخر نخل محبت  
 دل کے نظر سے تری اٹھنے کا نہیں پھر  
 وہ صبح کو آئے تو کروں باتوں میں وہیر  
 ڈھلجائے جو دن بھی توئی طرح کوں شام  
 جب گل ہو تو پھر ٹہی کہوں گل کی طرح  
 القصد نہیں چاہتا میں جاے میرا س

ہر حسرت پاؤں نکل جائے تو اچھا  
 جو دل کہ ہمتے داغ وہ دلہائے تو اچھا  
 لیکن وہ سنبھالے سے سنبھالے تو اچھا  
 لینے کو پتھر اس کی اجل جائے تو اچھا  
 از در کوئی انسان کو نکل جائے تو اچھا  
 لکڑی کی طرح پانی میں گل جائے تو اچھا  
 لیکن یہ عمل بار چل جائے تو اچھا  
 کھانا سا کھانا ہو نکل جائے تو اچھا  
 یہ سب نہ پھچھو لوں سے جو چل جائے تو اچھا  
 یہ گرنے سے پہلے ہی سنبھل جائے تو اچھا  
 اور چاہوں کہ دن تھوڑا سا دیکھ لو تو اچھا  
 اور پھر کہوں گراں سے گل جائے تو اچھا  
 گر آج کا دن بھی یونہی ٹل جائے تو اچھا  
 دل اس کا میں گرج چل جائے تو اچھا

ای قطع رشتہ میں ی ذوق ادب فخر

نہیں جز کثرت پر و انہ زیارت والے  
 دیکھو تو ہم بھی ہیں کیا صبر و قناعت والے  
 جانتے اپنی حقارت کو بیش بہا والے  
 دونوں اک حال میں ہیں بے مہیبت والے  
 میرے ہمدرد ہوں بے پروا و نصیحت والے  
 میری شرح تپش دل کی کتابت والے  
 دل بیمار کے ہیں وہی عبادت والے  
 بے انداز تغافل نہیں غفلت والے

نہیں جز شمع حجاز و رمی بالین خزار  
 یہ سہ پہر کبھی شکوہ نہ کر م کی خواہش  
 کیا تماشا ہے کہ مثلِ مہ نو اپنا فروغ  
 دل سے کچھ کہتا ہوں میں مجھ سے جو دل کچھ کہتا  
 توجو آجائے تو اے در و محبت کی دوا  
 چھوڑ دیتے ہیں قلم چوں قلم آتش باز  
 کبھی افسوس ہے آتا کبھی رونا آتا  
 تو مرے حال سے غافل ہے پراگشت غفلت

نامہ نگار کو نزاکت پہ چین میں اذوق  
 اس نے دیکھے ہی نہیں نزاکت والے

(۲۱) صبا ۱۵۵۵ء

میر ذریعہ علی ولد میر بند علی لکھنوی خواجہ آتش کے ممتاز شاگردوں میں تھے  
 عاشقانہ رنگ میں مزیدار شعر لکھتے تھے آپ کا دیوان چھپ چکا ہے ان کو حضرت  
 واجد علی شاہ کے یہاں سے دوسرے وہی ماہوار ملا کرتے تھے ۱۶۶۹ء میں گھٹوڑے  
 سے گر کر انتقال کیا۔

اوست کا قوتی اللہ سے ہے پروا کیاں مدعا سے وصل سن کر وہ صدمہ کہنے لگا مجھ گرہاں چاک کے مرنے سے کیا کشت ہی روز آتی ہو لب گوہر غریباں سے صدا نکھت گل چھر کہاں دیہاڑی پھر کہاں وام پیدا کیجئے محو ہو چکی مفلس ہوئے	استنا دو چار دن آشنا دو چار دن بیٹھ کر مسجد میں کیا خدا دو چار دن وار ہے اس شیخ کی بند قبادو چار دن شادی و غم ہو پڑی شاہ و گدا دو چار دن باندھ سے اکی باغباں اپنی ہل دو چار دن بیٹھے مسجد میں بنکر پارسا دو چار دن
---	---

بادہ کلگوں چلے ہر روز چل کر بلخ میں  
موسم گل کے یہی ہیں اوی صبا دو چار دن

(۲۲) زندہ ۱۸۵۷ء

نواب سید محمد خاں - فرزند نواب سراج الدولہ خاں الدین محمد خان بابر  
نصرت جنگ نیشتا پوری ان کے والد پہلے فیض آباد میں رہتے تھے۔ پھر کھنڈ میں  
سکونت اختیار کر لی تھی۔ مندرجہ اوّل ۱۲۱۷ھ کو فیض آباد میں پیدا ہوئے  
جب تک وہاں رہے اپنا کلام میر تقی میر خلیفہ والد میر انیس کو دکھایا۔ کھنڈ میں  
اکثر آتش کے شکار ہو گئے۔ اردو شاعری میں نفیس۔ میا و۔ آب و دانہ گرفتاری  
وغیرہ کے مضامین ان کا حصہ ہر شاعر میں زندہ تھے۔ خد سے کچھ دنوں قبل



<p>شان افغ ہو تری مرتبہ اعلیٰ تیرا ایک عالم کو ترے نام کا ہو رہو دیکھو وہدیلی کے لیے ویدہ مجنوں ہو ضرور جسکو بیٹھ نہ دو بیس تری ٹوٹیں پاؤں تو ہی نے اس کو بنایا ہو یہ قدرت سے</p>	<p>تو ہی کیلتا کوئی ثنائی نہیں تھا تیرا میں ہی کچھ ذکر نہیں کرتا ہوں تیرا میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تانا تیرا سروہ کٹ جائے نہ ہوں میں کہہ سوتا تیرا تو ہی چاہے گا تو گریے گا یہ پتلا تیرا</p>
---	---

<p>ماشوق روے پری شیفۂ حور نہیں جان جاں زہد ہو دیوانہ کو شیدا تیرا</p>	
<p>(۲۳۵) اختر ۱۸۵۸ء</p>	

ملک الشعرا قاضی محمد صادق خاں ولد قاضی محمد لعل بگلی (ملک بنگال) کے قاضی زادوں میں تھے مگر علم پستی اور ذوق سخن نے ان کو وطن چھڑا کر لکھنؤ رہنے پر مجبور کیا۔ میرزا قتیل کے عقیدت مند شاگرد تھے۔ فارسی، اردو، دونوں زبانوں میں شعر لکھتے تھے۔ آپ نے ایک تذکرہ آفتاب عالمیاب کے نام سے مرتب کیا تھا جس میں پانچ ہزار شعرا کا حال اور انتخاب درج تھا۔ غلامی الدین حیدر خانی لکھنؤ نے ان کو ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی صبح صادق نور الانشا۔ حامد حیدریہ۔ دیوان فارسی۔ دیوان ریختہ۔ ان کی یادگار

<p>ترو کیوں تھیں ایسا گناہ کب بستی ہو ہاں ل میں ہو گیا پیروی ہو نفس کا فری حصول جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ نے ہیں گلوں کا ہو گریبان کست سب جو سر سے</p>	<p>عدم کی بلکہ سب ہی ہو بلندی ہو بلستی ہو خدا کے گھر میں ہو ادا دیکھیے کیا بستی ہو ہماری مثال دیکھ کر تقدیر مہنستی ہو صبا مضطرب ہو اور گھر یاں گئی کیستی ہو</p>
---	---

سمجھو ایک کو پیشا رہم آئے تھے یاں اختر  
چشم غور جو دیکھا تو متناہوں کی بستی ہو

## (۲۴) امانت ۵۹ء

سیدنا فاضل خلیف میرزا فاضل حسین رضوی لکھنوی۔ آپ سید علی رضوی کی  
اولاد سے تھے ۱۳۳۷ھ میں حضرت امانت کی ولادت ہوئی فن شعر میں والدین لکھنوی  
مشہور مرثیہ گو سے استفادہ حاصل کیا۔ ابتدا میں مثنوی اور چیتاں کہنے کا شوق ہوا مگر  
اس فن میں پورے نہ آئے تو دیگر اصناف سخن کی طرف توجہ فرمائی۔ رعایت لفظی  
اور ضلع جگہ کے عاشق تھے لکھنؤ کی قدیم سوسائٹی صنائع و بدائع کو شاعری کا  
ہلی چہرہ سمجھتی تھی اس میں آپ نے کمال حاصل کر لیا تھا۔ یوں تو آپ صاحب  
دیوان ہیں جملہ اصناف سخن پہ قادر ہیں مرثیہ گوئی میں بھی اپنی طبعی دکھائی ہو  
لیکن ان کی اندر سبھا کو اردو و لٹریچر میں جو شہرت حاصل ہوئی اس وہ اپنی

## (۲۵) نسیم ۶۰ سالہ

منشی و پاشنکر لکھنوی ولد لنگا پرشا و پندت کشمیری آپ خواجہ آتش مرحوم کے شاگردوں میں تھے مثنوی گلزار نسیم آپ کی مشہور تصنیف ہے جو شمس العلماء میں تصنیف کی گئی تھی گواس کا پلاٹ ہندی کے ایک پیر نے فقہ سے لیا گیا ہے مگر ادائے بیان نہایت دلکش ہے چھوٹی بحر اور مختصر الفاظ میں اہم مضامین ادا کیے گئے ہیں حال میں مثنوی گلزار نسیم میر حسن کے متعلق بابو برج نرائن چلیست اور مولوی عبدالحکیم شری کے درمیان مباحثہ ہوا تھا۔ اس مباحثہ میں دونوں مثنویوں پر فن تنقید کے جوہر دکھائے گئے ہیں اس مثنوی کے علاوہ نسیم کا ایک دیوان بھی ملتا ہے مثنوی کا انتخاب یہ ہے

### آوارہ ہوتا بکا ولی کا تلاش گل میں

یوں ببل خامہ نعرہ زن ہے  
اور غنچہ صبح کھلکھلا یا  
یعنی وہ بکا ولی گل اندام  
اُٹھی نکبت سی فرش گل سے

گل کا جو الم چمن چمن ہے  
کلیں نے وہ پھول جب اڑایا  
وہ سبزہ باغ خواب آرام  
جاگی مرغ سحر کے خل سے

ابو ظفر خطاب تھا بہادر شاہ کے لقب سے اپنے باپ اکبر شاہ ثانی کے جانشین ہوئے  
 تاریخ پیدائش ۲۴ مارچ ۱۷۵۷ء مطابق ۲۸ شعبان ۱۱۷۹ھ اور ۲۸ ستمبر ۱۷۳۳ء مطابق  
 ۲۸ جمادی الثانی ۱۱۵۷ھ کو تخت پر بیٹھے زمانہ ولی عہد ہی سے شعر و سخن کا مذاق رکھتے  
 تھے ابتدا میں شاہ نصیر اور پھر خاقانی ہند و ذوق دہلوی کے شاگرد ہوئے علمی  
 قابلیت کے سوا فطری شاعر تھے ہندو شاہ کا محسوس واقعہ انھیں کے زمانہ میں  
 جبکہ بادشاہی حکومت صرف دہلی میں ایک محدود رقبہ کے اندر باقی رہ گئی تھی  
 پیش آیا تھا مگر کسے فرو ہونے کے بعد شہر میں برٹش گورنمنٹ نے ان کو نظر بند  
 کر کے کلکتہ بھیج دیا تھا وہاں سے رنگون کو منتقل ہوئے اور اپنی عمر کے بقیہ انعام  
 وہیں گزار دینے میں شاعری کا شغل وہاں بھی جاری رہا سوڑو گدانا کا محی و محرومی کی  
 درد بھری داستانوں کو مختصر الفاظ میں نظم کرنا انھیں کا حصہ تھا اور ظفر جیسے نصیب  
 تاجدار کے جسے اپنے جلیل القدر اسلاف کی مٹی ہوئی یا دیگر لوگوں پر آخری نظر حسرت  
 ڈال کر دہلی سے نکلتا نصیب ہوا ہو جسے گزشتہ اقبالی اور جاہ و جلال کے خوابوں  
 پر گہری نظر ڈالنے کا موقع ملا ہو و ناخ سے اس قسم کے خیالات نکلنے کے سوا دوسرے  
 مضامین کی تراوش کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی انھوں نے چار دیوان چھوڑے  
 جو مشہور عالم ہیں بمقام رنگون ۷ نومبر ۱۸۶۶ء کو وفات پائی۔

(۶۷) غزل

جہاں میرا نہ ہو پہلے کبھی آباویں گھر تھے	شمال بہاں رستے کبھی بستے بستی تھے
جہاں چلتے گئے ہیں اٹلے خاک صحرا میں	کبھی اُرتی تھی دولت تھیں کبھی سیجھ پھریاں تھے

مری آنکھ بند تھی جب تلک وہ نظر میں تو رہا جمال تھا  
 کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ وہ خواب تھا کہ خیال تھا  
 دلِ سبیل اڑتے عشوہ گر خوشی عید کی سی ہوئی مجھے  
 غم تیغ تیز راجہ سامنے نظر آیا مثلِ ہلال تھا  
 کہو اس تصویر یا رکھو کہوں کیوں نہ خضر تجستہ پڑی  
 کہ یہی تو دشتِ فراق میں مجھے رہنا ہے وصال تھا  
 مرے دل میں تھا کہ کہوں گام میں جو یہ دلہہ رنج و ملال تھا  
 وہ جب آگیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا  
 وہ ہنسے وفا وہ ہو پہ جفا وہاں لطف کیسا وفا کہاں  
 نقطہ اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا  
 پس پردہ سن کے تری صدا ترا شوق دید جو بڑھ گیا  
 مجھے اضطراب کمال تھا یہی وجہ تھا یہی حال تھا

ظفر اس سے چھٹ کے جو جیت کی تو یہ جانا ہم نے کہ وہی  
 فقط ایک قیدِ خودی کی تھی نہ نفس تھا کوئی نہ جاں تھا

گئے لاکھ فریب کروڑ فسون نہ رہا نہ۔ ہانہ رہا نہ رہا  
 گئے یوں تو نہاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم  
 وے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگانا۔

ظفر آدمی اُس کو بجانے گا وہ ہو کیسا ہی صاف فہم و ذکا  
 جسے پیش میں یا و خدا نہی جسے پیش میں خوتِ خدا نہ رہا

## (۲۷) نسیم دہلویؒ

نواب اصغر علی خاں دہلوی حلفت نواب آغا علی خاں۔ آپ مومن دہلوی کے  
 ارشد تلامذہ۔ سستے دہلی چھوڑنے کے بعد گھنڈے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ دعویٰ  
 فارسی میں کافی استعداد تھی فن خوشنویسی میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔ آپ کے کلام میں  
 نازک خیالی مضمون آفرینی کے سوا زبان کی خوبیاں اور سادگی کالفت بھی موجود ہیں۔  
 میں فداست پائی الف لیلہ نظم اور ایک دیوان آپ کی یادگار ہو کلام کا انتخاب چہز

(۱)، غزل

عروس فکر رگیں خیال آہ جو تریں کا  
 شگافِ حامد شانہ بن گیا زلفِ مضایک

تجھ کو کر دینگے خبر زبیر لحد سونے کی خانہ زادوں کو کہاں قیدِ محبتِ فراغ دمِ نکل جائے گا گرا تھ لگا ایہ جراح	سر پہنکتے ترے در پہرے اربابِ ہونے ہم وہ بلبلیں ہیں ہیں خاکِ گلستانِ نیکے وہ نہیں زخمِ جو شرمندہ احسانِ نونکے
---	--

دور ہر نخل کرینگے صفتِ گردِ نسیم  
ہم پس مرگ بھی قربانِ گلستانِ نونکے

(۲۸) انیس ۱۸۶۵ء

تیسرے علی خٹم میر حسن خلیق - حسین مصنف شہزادہ شہزادہ کے پوتے تھے  
بزرگوں کا اصلی وطن دہلی تھا۔ مگر میر صاحب نے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت حاصل کی ان  
مراثی نے اردو زبان میں رزمیہ نظم کی کسی کو پورا کر دیا۔ اخلاقی جذبات و اعلیٰ خیالات  
نے ان کی شاعری کا مرتبہ بلند کر دیا ہے۔ میرزا دہیر محمد ان کے ہم عصر تھے۔ دونوں  
اکہاڑوں نے اردو نظم کی تاریخ میں ایک ایسا ہنگامہ بہا کر دیا تھا کہ معنی یابی اور الفاظ  
پرستی کی جنگ کہنی دیا بھی بیجا نہیں ان کے زمانہ میں اردو ادب کے ترقی خواہوں  
میں دو فرق پیدا ہو گئے تھے جو انیسویں اور دسویں صدی کے کہلاتے تھے۔ انیس کے  
ماننے والے نے ساختہ پن۔ آمد۔ سوز و گداز کے شیدائی تھے۔ دسویں کے پیر و  
شوکت الفاظ۔ مبالغہ۔ صنائع بدلنے کو شاعری کا حسن سمجھتے تھے فیمس العلماء مولانا

پیدا گلوں سے قدرت اس کا ظہور	وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طہور
گلشنِ محفل تھے وادی مینو اساس سے	جنگل تھا سب ہوا پھولوں کی باس سے
ہندی ہوا وہ سینہ صحرائی وہ لہک	نہاے جس سے طس نیکاری فلک
وہ بھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ	ہر برگ گل قطرہ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے محفل تھے گوہر پیکتا نثار تھے	پتے بھی ہر شجر کے جو اہر نکار تھے
گر می کی شتد	
شیر اٹھتے تھے نہ خوف کے بارے کچھارے	آہونہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
۲ یئہ مہر کا تھا کدِ رغبار سے	گردوں کو تپتے تھی زمیں کے بخار سے
گر می سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر	بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر
گرداب پر تھا شعلہ جوالہ کا گمان	انکار سے تھے جاتا تو پانی شمر زناں
لمنہ سے محفل پڑی تھی ہر اک مہ کی زبان	تہ میں تھے سب نہنگ مگر ہتی لبون جاں
پانی تھا اک گر می روزِ حساب تھی	



گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے	خدا کے آگے تجاوت سے سر جھکا کے چلے
کسی کا دل نہ کیا ہم نے پا مال کبھی	چلے جو راہ تو چوٹی کو ہم بچا کے چلے
مقام یوں ہوا اس کا رگاہ دنیا میں	کد جیسے دن کو مسافر سرائی کے چلے
طلب سے عار ہوا اللہ کے فقیر دل کو	کبھی جو ہو گیا پھیرا صدائے کنا چلے

م تلیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہراؤ  
چراغ لیکے کہاں سامنے ہوا کے چلے

### ۷۷ اولاد

دولت کوئی دنیا میں پس سے نہیں بہتر	راحت کوئی آرام جگہ سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر	ملکیت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر

صد موم میں علاج دلِ بھروسہ ہی ہو  
ریجاں ہو ہی لاج ہی روح ہی ہو

ماں باپ کا دل غیچہ خداں ہو اسی سے	گل ہو کہ گہر شاک گشتاں ہو اسی سے
سبِ احم و آرام کا سال ہو اسی سے	آبادی کا شانہ انساں ہو اسی سے

کس طرح کھلے دل کہ جاگرت نہیں ہو  
گھر قبر سے بدتر ہو جو فرزند نہیں ہو

## سلام

<p>وہ دریا ہوں جس کا کنارہ نہیں وہ یوہوں کہ جو آشکارا نہیں وہ آتش ہوں جس میں شرارہ نہیں میں وہ نوجوان ہوں کہ ہمارا نہیں امیروں کا یاں تک گزارا نہیں جو دارا بھی ہو تو دارا نہیں فرشتے کا جس جا گزارا نہیں جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں فوس سے کسی نے اٹارا نہیں چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں</p>	<p>مرا راز دل آشکارا نہیں وہ گل ہوں جدا سب سے جس کا رنگ وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور بہت زل و نیلے ہیں بازیاں فقیروں کی مجلس ہو سب سے جدا سکندر کی خاطر بھی ہو سدا گئے پہننے تعلیم والے مصطفیٰ چشم سے ہم نے قراروں کو کیا بھڑے دوست جب ہو گئی قبر بند اے دلگاہ کہ زمیں پر حسین تیرے صبر کے میں قدا یا حسین</p>
---	---

کسی نے تری طرح سے ای آ نیلیں  
عروس سخن کو سنوارا نہیں

کچھ نہ عشاق سے مطلب ہو نہ اغیار سے کام  
 نہ اُدھر چشمِ غضب ہو نہ اُدھر چشمِ کرم  
 چین کیونکر تمہیں آغوشِ لحدیں آیا  
 تم تو آغوشِ تصور میں بھی لیتے نہ تھے دم  
 کیا گزرتی ہر تہ خاک تمہارے سر پر  
 فرش پر تم تو نزاکت سے نہ رکھتے تھے قدم  
 مازنینوں وہ نزاکت کہو گس نے لے لی  
 سچ بتاؤ تمہیں اپنی ہی نزاکت کی قسم  
 صحن تک بٹھا تمہیں دالان سے آنا منزل  
 کس طرح ملی ہوئی راہِ سفرِ ملکِ عدم  
 ناز و انداز و ادا - عشوے - کرشمے - غمزے  
 خاک میں مل گئے سب ہائے ستم ہائے ستم  
 ہائے وہ ابرو کے خمدار وہ مژگانِ راز  
 ہائے وہ چشمِ فسوں گر کی ادائیں پیہم  
 ہائے وہ چینِ جبینِ شوخی و انداز کے ساتھ  
 ہائے وہ ناز سے تیور کا بدلتا ہر دم  
 ہائے وہ شعلہ رخسار کی غصے میں بھڑک

ابو شب وقت ہو بندھے آنسوؤں کے تار کا ہیدگی جسم اگر یوں ہی رہیگی	اس طرح کا وقت اور ترنہ ملے گا ہم کو بھی ہمارا تن لا غرنے ملے گا
--	--

انصاف کو سمجھو خضر راہ ہدایت  
اور رشک اب ایسا کوئی پہننے کا

(۳) آذرودہ ۱۸۶۸ء

مفتی صدر الدین خاں صاحب خلف الرشید مولوی لطف کشمیری  
مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد رشید تھے۔ اپنے زمانہ کے علما اور  
فضلاء میں ممتاز تھے۔ ذوق۔ مومن۔ غالب۔ مہبانی کے ہم عصر اور دوست تھے۔ دہلی  
میں عہدہ صدائے ودی کی خدمات ان کے سپرد تھیں۔ جب مفتی صاحب کے اجلاس  
میں حضرت غالب مرحوم نے یہ شعر بطور جواب دعوے پڑھا کہ

قرص کی پیتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں

رنگ لاسے گی ہماری فاقہ سستی ایک دن

انھوں نے شعر حسن کر ان کے قرضہ کا روپیہ اپنی گرہ سے ادا کر دیا۔ آپ نے ایک  
تذکرہ شعراے ریختہ بھی ترتیب دیا تھا۔ جو اس زمانہ میں دستیاب نہیں ہوتا  
مفتی صاحب ایک جید عالم اور عربی زبان کے فاضل تھے مگر نہایت صاف

## (۳۲) غالب ۱۸۶۹ء

اسد اللہ خاں عرف میرزا لوشہ۔ المختلطیہ بہیم الدولہ و بیلر ملک نظام جنگ  
 ۸ رجب ۱۲۹۶ مطابق ۱۸۶۹ء میں بہ مقام آگرہ پیدا ہوئے شادی ہونے کے  
 بعد میرزا صاحب نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور ۳۳ برس کی  
 عمر میں ۵ افروری ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲ شعبان ۱۲۹۶ء میں انتقال کیا۔ درگاہ حضرت نظام الدین  
 اولیاء کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ وہ فارسی کے نظم و نثر کے علم الثبوت استناد سمجھے  
 جاتے ہیں۔ اردو و انشا پر دہری کی طرز جدید کے بانی تھے۔ ماہرین سخن کا قول ہو کہ  
 ہندوستان میں شاعری کا آغاز امیر خسرو سے ہوا اور اس کا خاتمہ میرزا غالب پر  
 ہو گیا۔ پنج آہنگ و سنیو۔ مہر نیم روزہ وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں علاوہ فارسی  
 کلیات کے دیوان اردو بھی موجود ہے جو اکثر مطابع کا چھپا ہوا ملتا ہے۔ ۱۲۹۶ء میں  
 ایک خاص ایڈیشن نہایت اہتمام اور جلی قلم عمدہ کاغذ پر مع میرزا کے فوٹو کے  
 نظامی پریس بدایوں سے شایع ہوا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں اسی پریس نے  
 ایک عمدہ ممتزج ایڈیشن نکالا جس میں علاوہ میرزا کے فوٹو کے ان کی تحریر کا عکس  
 بھی دیا گیا ہے۔ اس اردو دیوان کی شرح مولانا طبیبانی اور حسرت نے بھی لکھی ہے

یہ شرح مولانا نظامی بدایونی نے لکھی ہے جو حال میں تیسری مرتبہ دیوان ایک خوبصورت پاکستانی ایڈیشن  
 کی صورت میں شایع ہوئی ہے ۱۱

کہوں گے میں کیا ہی شبِ غم بُری بلا ہی ہو کر کے ہم جو رسوا ہو گئیں غرقِ دہیا اُسے کون دیکھ سکتا کہ جگانہ ہو وہ پیتا	مجھے کیا بُرا تھا مگر ایک بار ہوتا نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ ہمیں مزار ہوتا جو دلی کی پوچھی تھی تو کہیں چار ہوتا
--	---

یہ مسائلِ تصوف! یہ ترا بیانِ غالب  
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادِ خواہ ہوتا

(۸۳)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا ہو جب غیبِ یونہی جس تو غم کیا سر کے کٹنے کا	ڈوبنا محلو۔ ہونے۔ نہ ہونا میں تو کیا ہوتا نہ ہونا گردِ جُدا تن سے۔ تو زانو پڑھرا ہوتا
---	--

ہوئی بات کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے  
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

(۸۴)

رات دن گزشتیں ہیں رات آسمان لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ	پورے گچھ کا گچھ نہ کچھ گھبرا ہیں کیا چنب نہ ہو کچھ بھی تو صحر کا گھاس کیا
---	--

نہ چھوڑی حضرت یوسفؑ کی بھی نازائی مجھے اب بیکہ کر شوقِ آلودہ یاد آیا بحرِ ہوا نہ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہو گا	سفیدیِ بیدہ یعقوب کی بھرتی جو زنداں پر کہ وقتِ تھی آتشِ پستی تھی گلستاں پر قیامت کی ہوائے تندہی خاکِ شہیدان پر
--	--

✓	نہ ٹرنا صبح سے غالب کیا ہوا اگر اُس شہادت کی ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے کہ گیاں پر
---	---

لازم تھا کہ دیکھو مرارستا کوئی دن اور مٹ جلے گا سر۔ گر تیرا پتھر نہ کھسے گا آے ہوکل۔ اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو میں گے ہاں! اے فلکِ سپرِ جہاں تھا ابھی عارف تم ماہِ شبِ چار دہم تھے جسے گھر کے	تہنا گئے کیوں؟ اب ہوتہنا کوئی دن اور ہوں در پہ تہے ناصیبہ فرسا کوئی دن اور مانا کہ ہمیشہ نہیں۔ اچھا۔ کوئی دن اور کیا خوب! قیامت کا ہو گیا کوئی دن اور کیا تیرا بگڑتا؟ جو نہ مرتا کوئی دن اور پھر کیوں نہ رہا گھر کا دانستہ کوئی دن اور
---	---

ہم سے کل جاوید وقتِ حُر پستی ایک دن	ور نہ ہم چھیریں گے کچھ کر غدرِ ستی ایک دن
-------------------------------------	---

ہر زینہا خوش ! کہ مجھ ماہ کنناں ہو گئیں  
 جو سے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہر شام فراق  
 میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں  
 ان پری زادوں سے لیں گے خلی میں ہم انتقام  
 قدرتِ حق سے یہی خوریں اگر واں ہو گئیں  
 بیند اس کی ہو۔ دماغ اس کا ہو۔ سائیں اس کی ہیں  
 تیری زلفیں جس کے بازو پہ پریشاں ہو گئیں  
 میں چین میں کیا گیا۔ گویا دبستاں کھل گیا  
 بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں  
 وہ نگاہیں کیوں ہونی جاتی ہیں یا رب دل کپار  
 جو مری کوتاہی قسمت سے مڑ گاں ہو گئیں  
 بس کہ روکا میں نے اور سینے میں ابھرتی پڑ پڑی  
 میری آپس بخیر چاکر گریباں ہو گئیں  
 داں گیا بھی میں۔ تو ان کی گالیوں کا کیا جواب  
 یاد تھیں جتنی دھائیں صرف درباں ہو گئیں  
 جاں نزاہت با وہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا  
 سب کچھ ہی ایتھ کی لایا رگ رجاں ہو گئیں



موت سے پہلے آدمی - غم سے نجات پائے کیوں  
 حُسن اور اُس پہ حسنِ ظن - رہ گئی ہوا لبوس کی شرم  
 اپنے پہ اعتماد ہو - غیبر کو آزمائے کیوں  
 واں وہ غرورِ عزو ناز - یاں یہ حجابِ پاسِ وضع  
 راہ میں اہم ملیں کہاں ؟ بزم میں وہ بلاے کیوں  
 ہاں وہ نہیں خدا پرست جاو وہ بے وفا ہسی  
 جس کو ہوں دینِ دِل عزیزہ اُس کی گلی میں جا کیوں  
 غالبِ خستہ کے بنیر - کون سے کام بند ہیں  
 رویئے زار زار کیا - کیجیے اے ہائے کیوں

غنچہ نازِ گفتم کو - دور سے مت دکھا - کہ یوں  
 بوسے کو پوچھتا ہوں میں - منہ سے - مجھے بتا - کہ یوں  
 پرستشِ طرزِ دل بری کیجیے کیا کہ بن کہے  
 اُس کے ہر اک امثالے سے نکلے ہو یہ ادا کہ یوں  
 رات کے وقت چپیے - ساتھ رقیب کو پیے  
 آئے وہ یاں خدا کرے - پر نہ کہے خدا کہ یوں

کافر ہوں۔ گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں  
 کب سے ہوں۔ کیا بتاؤں۔ جہانِ خراب میں  
 شب ہمارے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں  
 نا پھر نہ انتظار میں بنیں آئے عمر بھر  
 آنے کا عہد کر گئے۔ آئے جو خواب ہیں  
 فاصد کے آتے آتے۔ خط اک اور لکھ رکھوں  
 میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں  
 مجھ تک کب ان گئی بزم میں آتا تھا دو پر جام؟  
 ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں  
 جو منکر وفا ہو۔ فریب اس پہ کیا چلے  
 کیوں ہلکیاں ہوں۔ دوست سے دشمن کے باب میں  
 میں مضطرب ہوں وصل میں۔ خوفِ رقیب سے  
 ڈالا ہر تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں؟  
 میں اور خط وصل۔ خدا ساز بات ہر  
 جہاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 ہر تیوری پڑھی ہوئی اندر نقاب کے  
 ہر اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں

<p>مبادا خندہ و نداں نما ہو صبح محشر کی          اگر ہو دے بجا دانہ - وہ تھاں - کوٹ نشتر کی          ہوئی مجلس کی گرمی سے توانی ویرانگی          کہ طاقت اُٹ گئی ہارنے سے پہلے میرے شہر کی</p>	<p>لکھو ہنس ہو سزا - فریادٹی بیدار دلبر کی          رگ لیلی کو خاک و شہت منوں بیکٹی جٹے          پیر پروانہ شاید باد بان لستی - مٹھا          کروں بیا دزد و فریفتانی - عرض کیا قدرت</p>
--	--

کس س تکے ووں اُس کے خیمے کے چھکے کیا قدرت ہو  
 حری قسمت میں یا رب - کیا نہ کھتی دیوار بچھری

<p>ہم سخن کوئی نہ ہو - اور ہم نہ باں کوئی نہ ہم          کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاس باں کوئی نہ ہو          اور اگر مر جائیے تو ذرا غواں کوئی نہ ہو</p>	<p>رہیے ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو          بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے          پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار</p>
---	--

<p>مرا سر رنج را بایں ہر - مرا تن بارہ لیستری          دل بے دست و پا افتادہ بر خورایستری</p>	<p>تپش سے میری - وقت کشش ہر تاپستری          سر شاکب سر بہر ادا دہ - نور العین من ہر</p>
---	--

پارچہ اطفال ہی دیا مرے آگے  
 اک کھیل ہی اور نگیلیاں مے نزدیک  
 جز نام۔ نہیں صورت عالم مجھے منظور  
 ہوتا ہی نہاں گردیں صحرا مے نزدیک  
 مت پوچھ۔ کہ کیا حال ہی میرا ترے پیچھے  
 پہنچتے ہو۔ خود ہیں خود آ رہوں۔ نہ کیوں ہوں  
 پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار  
 نفرت کا گماں گز رہے ہی میں رسک گزرا  
 ایساں مجھے روکے ہی جو کھینچے ہی مجھے کھر  
 عاشق ہوں پہ عشوق فریبی ہی مرا کام  
 خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں نہیں جاتے  
 ہی موزون اک قلم خوں۔ کاش یہی ہو  
 گو ہاتھ کو جنبش نہیں آکھوں میں تودم ہی

ہوتا ہی شب و روز تماشا مے آگے  
 اک بات ہی انجاز میسا مے آگے  
 جز وہم۔ نہیں ہستی اشیاء مے آگے  
 گھستا ہی جیس خاک پہ دریا مے آگے  
 تو دیکھ۔ کہ کیا رنگ ہی تیرا مے آگے  
 بیٹھا ہی تبت آئینہ سیما مے آگے  
 رکھ دے کوئی پیانا صبا مے آگے  
 کیوں کر کہوں لو نام نہ ان کا مے آگے  
 کبہ مے پیچھے ہی۔ کلیسا مے آگے  
 مجنوں کو بڑا کہتی ہی لیلی مے آگے  
 آئی شب ہجراں کی تنہا مے آگے  
 آتا ہی ابھی دیکھیے کیا کیا مے آگے  
 رہتے دو۔ ابھی ساغر وینا مے آگے

ہم پیشہ وہم مشرب وہم راز ہی میرا  
 غالب کو بڑا کیوں کہو۔ اچھا مے آگے

ابن مریم ہوا کرے کوئی شرع و آئین پر مدار سہی چال جیسے کڑی کمان کا تیر بات پر و اس زبان کٹی ہو ہس رہا ہوں جوں میں کیا کیا کچھ نہ سُنو۔ گر بُرا کہے کوئی روک لو گر غلط چلے کوئی کون ہو جو نہیں ہو حاجت مند کیا کیا خضر نے سکدر سے	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی دل میں ایسے کے جا کرے کوئی وہ کہیں اور سنا کرے کوئی کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی نہ کہو۔ گر بُرا کرے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی کس کی حاجت روا کرے کوئی اب کسے رہنا کرے کوئی
---	---

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا گلا کرے کوئی
---

لہ (۹۹) سہرا خوش ہو اسے بخت کہہ کیج تھے سرسہرا کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہ بھلا لگتا ہی	یادہ شہزادے جواں بخت کی شادی کے موقع ہو ترے من دل افروز کا زبور سہرا
---	---

لہ غالب نے یہ سہرا بونظر بہادر شاہ کے چھوٹے بیٹے جواں بخت کی شادی کے موقع پر لکھا تھا۔ منقطع کون کر بادشاہ نے خیال کیا کہ منقطع میں اُن کے استاد ”ذوق“ پر

<p>آج وہ دن ہی کہ لائے دریا خیم سنگ تابش حسن سے مانند شعلہ خورشید وہ کہے صل علی یہ کہے سبحان اللہ تائیں اور بنی میں ہے اخلاص بہم دھوم ہی گلشن آفاق ہیں اس سرے کی روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے اوار ایک کو ایک پہ تریں ہی دم آرائش اک گھر بھی نہیں صد کان گھر میں چھوڑا پھرتی خوشبو سے ہی اترا لی ہوئی باد بہا سر پہ طرہ ہی مزین تو گلے میں بدھی رونمائی میں تگھے دے مہ و جوشینک کثر شہنار نظر سے ہی تماشا یوں کے دُر خوش آب مضامین سے بنا کر لایا</p>	<p>کشتی زریں مہ نو کی لگا کر سہرا سُج پر نور پہ ہی تیرے منور سہرا دیکھے کھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا گو ندھیے سورہ اخلاص کو پڑھ کر سہرا گاہیں مرغانِ نواسنج نہ کیونکر سہرا نار بارش سے تھا ایک سہرا سر سہرا سر پہ دستار ہی دستار کے اوپر سہرا تیلہ بویا ہی لے لے کے جو گوہر سہرا اللہ اللہ رے پھولوں کا منظر سہرا گلگنا ہاتھ میں دیا ہی تو سر پہ سہرا کھول دے منہ کو جو تو منہ سے پٹا کر سہرا دم لظاہر تیرے روئے کو پہ سہرا واسطے تیرے ترازو قی ثاگر سہرا</p>
--	---

جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دوائن کو  
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

## شوقِ نازِ ۶۹

شہاب الدین خان خٹک الرشید نواب ضیاء الدین خاں نیرو خٹک خٹک  
 لوہارو۔ دہلی کے نامور روسا میں تھے۔ مرزا غالب مرحوم کے عزیز تھے اور  
 شاعری میں انہیں سے تلمذ تھا۔ آپ اعلیٰ درجہ کا علمی مذاق رکھتے تھے۔  
 فارسی۔ اردو۔ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مرزا غالب کو ان کے ساتھ  
 بڑی ہمدردی تھی۔ عالمِ جوانی میں ۱۸۶۷ء میں وفات پائی۔ ان کے  
 بیٹے نواب شجاع الدین خاں تباہاں اور نواب سراج الدین احمد خاں سائل ان  
 وقت موجود ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

### (۱۰۱) غزل

<p>اور پھر وہ ہمارے گھر نہ آئیں          کچھ حال سنو تو ہم سنا بیٹیں          اے چرخ کہاں تلک جفا بیٹیں          وہ شوق سے خنجر آزمائیں          انہوں وہ دلربا ادا بیٹیں          چلتی ہیں شر رفتاں ہوا بیٹیں</p>	<p>ہم قوتِ جذبِ دل دکھائیں          کیا چہرے سینہ دل دکھائیں          لے بخت کہاں تلک بُرائی          ہم سینہ سپر کیے کھڑے ہیں          جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف          شاید کہ ہر گرم نالہ ثاقب</p>
--	---

دیوان ریختہ میں۔ حکمت۔ نقیصہ۔ اخلاق۔ جن و عشق کے جذبات اور ہر قسم کے مضامین موجود تھے اور ہر موقع پر سنجیدگی اور متانت کا خیال رکھا ہی نہ تھا۔ میں آپ نے تذکرہ گلشنِ بیجار مرتب کیا تھا۔ جس میں اردو شعرا کے حالات اور کلام درج ہے۔ اردو زبان کا یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں شعرا کے کلام پر آزادانہ رائے بھی دی گئی ہے۔ آپ نے مسئلہ میں انتقال فرمایا آپ کا کلیات جس میں فارسی اردو کا کلام اور واقعات شیفۂ زبان فارسی شامل ہیں مع مصنف کی سوانح عمری اور فارسی و اردو کے کلام پر ایک مبسوط تنقید کے مولانا نظامی بدایونی نے مرتب کیا ہے جو نواب صاحب کے صاحبزادہ نواب محمد اسحاق خاں صاحب مرحوم کے ایماء سے نظامی پریس بدایوں میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپکر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا تھا۔

کلام کا نمونہ یہ ہے۔

### ۱۰۶ غزل

ساتی کو میکدہ میں سہراؤ نوش ہے عاشق کو اضطراب ہے عجز و نیاز ہے منظور ہے حکیم کو ہر شے کی معرفت ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہے اربابِ حکمت نظری کو عمل نہیں جن کو کہ دستگاہ ہے فنِ نجوم میں	صوفی کو خانقہ میں سر و جدِ حال ہے مشتوق کو غور ہے غنج و دلال ہے حالاتکہ اپنی معرفت اس کو محال ہے ہر بات منطقی کی مرادِ جدِ ال ہے اہلِ کلام کو ہوسِ قیل و قال ہے عمر ان کی صرف زائچہ ماہ و سال ہے
---	---



<p>مطرب اگرچہ کام میں اپنے بیگانہ تھا آلودہ می سے دامن باورِ عبا نہ تھا تم سے فقط مجھے گلہ دوستانہ تھا</p>	<p>ساتی کی بے مدد نہ بنی بات رات کو کچھ آج ان کی ہم نہیں بیڈھب ہی بند دشمن کے فعل کی نہیں توجیہ کیا ضرور</p>
<p>کل شیفقتہ حیر کو عجب حالِ خوش ہیں آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا</p>	
<p>۱۰۵ قطعہ</p>	
<p>تلون سے ہو تم کو مدعا کیا کبھی بے وجہ عینوں سے وفا کیا کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا کبھی الطافِ جراتِ آرزو کیا کبھی یہ غمزدہ ہائے جانفزا کیا کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا کہ کیا طاقت ہو پوچھوں میں خطا کیا پے ہم جلوہ ہائے دلربا کیا جواب اک مختصر مجھ کو دیا کیا کہ بائیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا</p>	<p>کہا کل میں تے اے سرمایہ ناز کبھی مجھ پر عتاب بے سبب کیوں کبھی محفل میں وہ بیباکیاں کیوں کبھی سکینِ صولتِ آفریں کیوں کبھی وہ طعنہ ہائے جاگلز کیوں کبھی شغروں سے میری نغمہ سازی کبھی بے جرم یہ آرزو وہ ہونا کبھی اس دشمنی پر ہر تسکین یہ سب طول اس نے من کرے تکلف ابھی اے شیفقتہ واقف نہ ہیں تم</p>

کل جہاں پر شکوفہ و گل تھے  
 جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم  
 بات کل کی ہو نوجوان تھے جو  
 آج خود ہیں نہ ہیں مکاں باقی  
 غیرتِ عورمہ جہیں نہ رہے  
 جو کہ تھے بادشاہِ ہفت اقلیم  
 کوئی لیتا بھی ایسے نہیں یہ نام  
 اب نہ رستم نہ سام باقی ہو  
 کل جو رکھتے تھے اپنے فرنی پہ تلج  
 تھے جو غورِ سر جہان میں مشہور  
 عطر مٹی کا جو نہ ملنے تھے  
 گردشِ چرخ سے ہاک ہوئے  
 تھے جو مشہور فیض و فغفور  
 تلج میں جن کے ٹکیتے تھے گوہر  
 رشکِ پوسٹ جو تھے جہاں میں ہیں  
 ہر گھڑی منتقل زمانہ ہو  
 ہو نہ شیریں نہ کوہ کن کا پست

آج دکھا تو خار بالکل تھے  
 آج اس جا ہی آشیانہ بوم  
 صاحبِ نوبت و نشان تھے جو  
 نام کو بھی نہیں نشان باقی  
 ہیں مکاں گر تو وہ مکین نہ رہے  
 ہوئے جا جا کے زیر خاکِ یقیم  
 کو سنی گور میں گیا ہرام  
 اک فقط نام ہی نام باقی ہو  
 آج ہیں فاختہ کو وہ محتاج  
 خاک میں مل گیا سب اُن کا غرور  
 نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے  
 اُستخوان تک بھی اُن کے خاک ہوئے  
 باقی ان کا نہیں نشانِ بقور  
 ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسلہ سر  
 کھا گئے اُن کو آسمان و زمین  
 یہی دنیا کا کارخانہ ہو  
 نہ کسی جا ہو ملدین کا پست

<p> آپ بیٹھے وہاں نہ اشک بہائیں  بند اپنی زبان رکھیے گا  نام منہ سے نہ لیجیے گا مرا  ساتھ غیروں کی طرح جائیے گا  سب میں رسوا نہ کیجیے گا مجھے  منہ سے نالے نکل نہ جائیں کہیں  تاکسی شخص پر نہ حال کھلے  ناٹ جاتے ہیں تارٹنے والے  میری عزت نہ یوں ڈبو دینا  جی کسی اور جا لگا لینا  میں لوگر اپنی جان ہو تو جان  جان دینا نہ گھونٹ گھونٹ کے تو  ناکل جائے تیرے دل کی بھر اس  قبر میری گلے لگا لیتا  پڑھنا قرآن میری تربت پر  پھول تربت پر دو چڑھا جانا  مٹی دینا تم اپنے ماتوں سے </p>	<p> جب جنازہ مرا عزیز اٹھائیں  میری تربت پہ دھیان رکھیے گا  نہ ذکرہ کچھ نہ کیجیے گا مرا  اشک آنکھوں سے مت بہائیگا  آپ کا نہ دھانہ دیجیے گا مجھے  رنگ دل کے بدل نہ جائیں کہیں  ساتھ چلنا نہ سر کے بال کھلے  ہوتے آتش کے ہیں یہ پر کاے  ذکر سن کر مرا نہ رو دینا  بچ فرقت مرا اوٹھا لینا  بچ کرنا نہ میرا میں قربان  دل میں کر دھنا نہ مجھ سے چھوٹ کے تو  آکے رو لینا میری قبر کے پاس  آنسو چپکے سے دو بہا لینا  اگر آجائے کچھ طبیعت پر  غنجہ دل مرا کھلا جانا  ہو یہ حال سب اتنی باتوں سے </p>
--	---

## غزل

آہک لب نہیں ہی داغ کب ل میں نہیں  
 بزم کی کثرت سے اندیشہ مٹے ل میں نہیں  
 پہنچے مگر گان ترننے پہ اڑائیں دھجیاں  
 خونِ ناحق کا ہمارا داغ مٹنے کا نہیں  
 پردہ دار چہرہ پوش نہیں ہی ہر نقاب  
 نجد کا صحرا عجیب صحرائے وحشتِ غیر ہی  
 جس طرف ہی چاہیگا میرا گل جاؤنگا میں  
 بندہ گئی زلفِ سیاہ یا رکی ایسی ہوا  
 حد سے باہر پاؤں چرکھتا ہی ہوتا ہی خرابا  
 ڈوبنے جاتے ہیں کیونکر لوگ جہت ہی مجھے  
 ہم غریبوں کا خدا ہو نا خدا درکار کیا  
 ہو گیا دہشت سے ایسا بے ملر کا خونِ مشک

کونسی شب پاؤ کہ گرمی اپنی محفل میں نہیں  
 دل میں اس کی ہو جگمگ میرے جو محفل میں نہیں  
 تار باقی ایک بھی دامن ساحل میں نہیں  
 تیغ میں ہوگا اگر دامنِ قاتل میں نہیں  
 حسن ایلی جلوہ گر ہر ایک محل میں نہیں  
 قیس کیا یلی کو بھی آرام منزل میں نہیں  
 بیکڑوں دروازوں کے حلقے سلاسل میں نہیں  
 لاکھ شمعیں جل رہی ہیں نورِ محفل میں نہیں  
 گھر میں جو راحتِ مسافر کو ہی منزل میں نہیں  
 قد آدم آبِ بحر تیغِ قاتل میں نہیں  
 غالبِ طاح کشتی دستِ سائل میں نہیں  
 ایک بھی دھبہ لہو کا تیغِ قاتل میں نہیں

میرے رنجوں کے لیے تیار ہو مہمِ اسیر  
 اس قدر رنگارنگ بھی شمشیرِ قاتل میں نہیں

یہ بیچ ہی ناصح ہوگا ملنا نہیں ہی اچھا نہ ہوگا اچھا  
 پھر آپ کو کیا، بر کریں گے تو اپنے حق میں بر کریں گے  
 نظام۔ تقریر پھر عبث ہی جواب کچھ اس کا دی سکو گے  
 وہ اس کا ہر بات پر یہ کہنا کہ ہم تو اپنا کہا کریں گے

### (۳۸) مہر ۱۸۷۳ء

میرزا احاطہ علی۔ خلف میرزا فیض علی قزلباش۔ آپ اکبر آباد کے مشہور  
 روسا سے تھے۔ فن سخن میں شیخ امام بخش ناسخ کے تلمیذ رشید تھے  
 رعایت لفظی کے دلدادہ۔ تشبیہات اور استعارات کے مرد میدان میرزا  
 غالب کے دوست تھے۔ غدر سے پہلے چار میں منصف رہے ۱۸۷۳ء میں  
 زندہ تھے۔ ان کا دیوان چھپ چکا ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے:-

### ۱۰۹ غزل

گر بیابان ہاتھ میں ہے پاؤں میں صحر کا دان ک  
 کہاں یہ ابرو کی غمناک بے چشم قساں پر  
 بس بپاؤں میں ہے پینہ اور سر خاری مغیلاں ک  
 بیاض چشم آہویاں کتیاں قیاسیاں ک  
 زبان خام بھی لب زبانِ شمع سواں ک  
 جلاتا آہیہ پروانوں کو وصفِ شعلہ رو باں ک

<p>اس کے منے سے ہوئی عالم ہا لاکي منود          کس کا چھر کا ہر دل کس سے سنا جاتا ہے          ہر خط و خال کا عالم وہی اب تک گویا          حسرتوں کا ہے مکینوں کی عجب ہنگامہ          مٹ گئے پر بھی تو ملتا نہیں ہلی کا جواب          ہوتے ہیں دور کے بٹن عول سے غلط          میں نے دیکھا ہر ملک کو خبردار اس کا          غالب و نیرو ثنائے بہنا ہے گو یا</p>	<p>ورنہ تھی رشک افلاک کس شان دہلی          کون ایسا ہے کہ جوں سے سب ان ہلی          ہو اسی وقت کی گلی ہوئی جان ہلی          رہے آباد اُجر کر بھی مکان ہلی          کوئی ڈھونڈے تو اسی پر ہو گمان ہلی          خلد میں کیا ہے نہیں ہر جو میان دہلی          میں نے پلٹی ہوئی دیکھی ہر دوکان دہلی          بلی ماروں کا محلہ صفحہ ان ہلی</p>
---	--

سج کے شعر یہ آنکھیں ہوں کینہ کر مناک  
 سالک اک عمر ہے مرثیہ خوان دہلی

۱۱۱

<p>مری خاطر میں کب ساقی ترا پیمانہ آتا ہے          ٹھکانے جیتوئے بار میں کس کسے چھوٹے ہیں          کل کرتا تھک سے غائب نہیں ہوتے ہیں آتش          الہی لوگ کیون ہوتے ہوئے خوش فرد و جان ہے          دل زار اور سست یا زبیر اک راہ تھی ہے</p>	<p>کہ یاں ہر دم خیال ز گس نشنا آتا ہے          کہ بلبل بزم میں اور باغ میں پروں آتا ہے          اسی پانی سے بھرتا عمر کا پیمانہ آتا ہے          مگر اس باغ سے آگے کوئی ویرانہ آتا ہے          خطا ہو کر بھی سیدھا ناکبہ جانا آتا ہے</p>
--	---

	اچھی گری بہلند ہوئی بہشت ہو گئی پی پی کے رخ کشوں کا لہو مست ہو گئی	
ہم دل میں جب در آئیں گے فوج شریر کے ملک لڑے کریں گے خیر و عشر و سیر کے	جو ہر ٹھیلے کے طاقت ہرناؤ پیر کے وارث ہیں ذوالفقار جناب امیر کے	
	اب الہ کی موت آج خضام دوسرے ہو قبضہ قضا کی تیغ بہ قسم قدر سے ہو	
۱۱۳- حضرت اصغر کی وقت میں ماں کی بیٹائی		
بانو بچھلے پہر اصغر کے لیے روتی ہو سر کو بھی پٹتی ہو جان کو بھی کھوتی ہو	ایک وہ جاگتی ہو خلق خدا سوتی ہو ہر غیب غم ہو کہ تسکین نہیں ہوتی ہو	
	سینے پیٹے سبے موش ہو جاتی ہو دل سے ہو کہ اعلیٰ اصغر کی صدا آتی ہو	
سوگ کا فرشتہ ہو اور سامنے جلتا ہو چرخ جان اندوہ میں دل پنج میں آشفق و داغ	بازو میں رخ ربن سینے میں لاد کا داغ نہ وہ گل میں نہ وہ غنچہ نہ ہر اکا وہ باغ	
	گوشت چادر کا اگر سر سے مرکب جانا ہو ننگے سر کوٹے میں پھر نا اُسے یاد آنا ہو	
اُسے اصغر! نہ ترا دین ہو اچھ سے دا نہ تری سالگرہ کی نہ ترا بیاہ کیا	بوجھ کوئی مری گردن نہ اُترا تیرا نہ لحد تجھ کوئی اور نہ کفن تجھ کو نلا	
	ذبح تم ہو گئے سینے پہ لٹاؤں کس کو چھوٹے چھوٹے پشوکے میں بچاؤں کس کو	

<p>رہا فتنہ لذت زخمِ جگر تیری پہنچ بجا نواب          ہوئے ہو گئے کسی سے دل کے اقرار بھی شاید          نصیب میں جو کچھ ہی برائی وہ نہ جائے گی          اسیرِ وارم کیسے دول ہوا تو یوں بھی وحشت ہی          اسی اُمید پر شاید کسی دلی و تم باہر</p>	<p>کہ مرقد میں بھی میرے منہ سے نکلتے آفریں سوں          رہی ہم سے نوا اُس بے رحم کافر کی آفریں سوں          اگر گڑبڑوں کا دہر کھبہ کہ نقشِ جبین ہوں          نہ چھوڑوں گا کبھی ہاتوں سے زلفِ عنبریں سوں          نہ جائیگے تمہارے در سے دم بھر کو بہن سوں</p>
---	---

بجائے اس کی تمہر گناہے نواب کوئی بھی  
 نہیں گئے دیکھ لینا کورے جاناں میں ہیں برسوں

## ۴۷) حیاتِ شاہ

شاہزادہ میرزا رحیم الدین، خلف میرزا کریم الدین، سامانیہ شاہ عالم تھانے  
 ملازمہ ہیں پیدا ہوئے شاعری میں حضرت شاہ نصیر دہلوی سے تلمذ تھا۔ ذہین  
 طبع اور نازک خیال شاعر تھے۔ شطرنج کھیلنے میں مشہور تھے۔ ولایت سے جتنے  
 شطرنج کے نقشے آئے تھے۔ اُن کو حل کرنا آپ کا کام تھا۔ دافع و امیر کے ہم عصر  
 تھے۔ نواب کلب علی خاں خلعتا شہاں والی رام پور کے مصاحبوں میں داخل  
 تھے۔ سن ۱۲۰۷ میں دنیا سے رخصت ہو گئے ۴۷ سال کی عمر پائی۔ ان کا دیوان صاف  
 محمود علی خاں رام پوری نے چھپوایا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔



خطاب نہ عطا ہوا۔ خلعت کو زیب نزن کرتے ہوئے فوراً یہ شعر پڑھا

خلعت و درے تو سب کچھ میں سنوارا جاؤں

ایسی نشا دی میں قلع کہہ کے پکا راجاؤں

بادشاہ نے اسی وقت اُن کو آفتاب الدولہ کا خطاب عطا فرمایا۔

اور دیگر مقربین سے زیادہ مرتبہ بلند کیا۔ شہداء میں زندہ تھے۔ اس کے

چند سال کے بعد انتقال ہوا۔ دیوان موجو دہی ایک شہزی "طلسم العنت"

چھوڑی۔ اس میں عشق و محبت کی جتنی جاگتی تصویریں دکھائی گئی ہیں۔ جس کا

ڈراما ہندوستان کی مشہور تھیٹر کی کمپنیاں اپنے اسٹیج پر نہایت شوق سے

کھیلتی ہیں۔ یورپ کے ڈراموں کا بہت اچھا حصہ وہ سمجھا جاتا ہے جس میں

کوئی ایکڑ تہائی میں اپنے دل سے آپ باتیں کرتے ہوئے دلی خیالات

کا اظہار کرتا ہے۔ جس کی مثال شیکسپیر کے مشہور پلے ہیملٹ۔ سے ملتی ہے۔

"شہزادی طلسم العنت" میں بھی اس قسم کا سینہ نہایت بے مثل طریق سے

لکھا گیا ہے۔ اچھا بچہ ہم نے اپنے انتخاب شہزادی میں اسی سین کو لیا ہے۔

جہاں عالم آرا حالت انتظار میں اپنے دل سے باتیں کر رہی ہے۔

جو حسب ذیل ہے:-

۱۱۶۔ شہزادی

وشت عشق سر اٹھاتی ہے  
آپ ہی آپ پہروں بستی تھی

حسرت دید بڑھتی جاتی ہے  
متعل جو ہو نہ سکتی تھی

<p>تپک رہا ہو کسی دن سے آبلہ دل کا ملا ہو گیسوے جاناں سے سلسلہ دل کا ہزار حیف کہ نکلا نہ جو صلہ دل کا</p>	<p>غلابی خیر کرے رنگ ساج بیدھب کا وہ زندہ ہوں کہ مجھے ہنکڑی سوجھتا ہے بہار آئے ہی کچھ قفس نصیب ہوا</p>
	<p>خدا کے سامنے اپنا ہوتے قلق نصیب بتوں سے حشر ہیں ہو گا معاملہ دل کا</p>
	<p>منیر ۱۸۸۱ء</p>

سید اسماعیل حسین خلیف سید احمد حسین صاحب - شاد - ہزرگوں کا  
اصلی وطن مشکوہ آباد ضلع بین پوری تھا لیکن ان کا قیام عرصہ دراز تک  
لکھنؤ میں رہا اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ بہ تقریب ملازمت کانپور  
فرخ آباد میں بھی رہے۔ آخر زمانہ میں نواب کلب علی خاں کے دربار سے  
منسلک ہو گئے تھے۔ رشک کے ارشاد تلامذہ سے تھے۔ تاسخ سے بھی  
استفادہ سمجھنا حاصل کیا تھا۔ منیر - آغاز شباب سے شاعری کے دلدادہ  
تھے۔ ان کے کلام میں قدیم تخیل اور الفاظ پرستی کا رنگ نمایاں ہے۔ لیکن  
نہایت پرگور و مشاق شاعر تھے۔ پیدائش و ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ وفات  
۱۳۰۹ھ بمطابق ۱۸۹۳ء میں بمقام راہپور ہوئی۔ کلیات مطبوعہ ہے۔ لیکن عام  
طور پر نہیں ملتا۔ ان کی ایک مثنوی ”معراج المصائبین“ کے نام سے زیادہ

فرمانِ جنِ گرم کے تابع ہیں نرم دل نامِ سلوک سے ہیں اگر کان آشنا کر بیچیں ترکِ عشق سراپائے یار ہم خصیتِ طلبِ ہر عاشقِ حسنِ باریکا آوارہ چھوڑ جاتی ہے جہیم گلی کو روج	پنبہ جہاں کہیں ہے رعیتِ شہر کی ہے آوازِ خضرِ راہ - ہر اک جانور کی ہے مجبور ہیں کہیچ میں طاہتِ مکر کی ہے پروانوں سے - وداعِ چراغِ سحر کی ہے مٹی خراب - گرد و غبارِ سفر کی ہے
---	---

قطعہ

مانندِ اخلاط ہے سہلِ آب کی شاعری کنا یہ ہے کہ مرنے ہیں تم پریشاں ہیں جو عاشقانہ شہر ہے سکرش ہے حسن سے خالی ہے - جن ہنشنِ مصموم کا یک قلم مغروب ہے بحاورہ اباب شوق کا موتی کے مول - قطرے مایہ بگتنے ہیں پھر بھی کبھی نگاہِ گرم ہوگی اس طرف	(تیزی نہ طبع کی ہے - نہ دقتِ نظر کی ہے) تلخی نہ زہر کی - نہ حلاوتِ شکر کی ہے پر درد و جو غزل ہے وہ دشمنِ اثر کی ہے ہر ایک بہیت کو ٹھہری مفلس کے گھر کی ہے یاں کس میں جس کمال و ہنر کی ہے مٹی خراب آج کل آبِ گہر کی ہے امیدِ آج تک اسی پہلی نظر کی ہے
---	--

نرم سخن میں لطفِ جنابِ عروج سے  
شہرتِ منیر اس غزلِ مختصر کی ہے

فقط آبرو ہی نہ مجھ کو دو۔ نگہ غضب سے بھی کام لو  
 جسے آبِ تیغ کی پیاں ہو وہ ہو کیونکر آبِ گہر سے خوش  
 کروں دم میں قطع رہ سفر نہ ہو غمِ عدم میں ہاں بال بھر  
 اسی تیغ سے بھگے ذبح کر رہی ہو قربِ کمر سے خوش  
 جسے حکمِ یار کا پاس ہو۔ وہی رمزِ فقرِ شناس ہو  
 وہ دلِ آبلوں سے اداں ہو نہ حصولِ گنجِ گہر سے خوش  
 پھٹے دل سے سیرِ جان کی۔ کہ و داغِ تن سے ہو جان کی  
 نہ ہو لو۔ بھی آپ کے کان کی خبرِ حیاغِ سحر سے خوش  
 مرے دل میں۔ داغِ وفا ہو جو۔ اُسے لاکھ طرح کا رتبہ دو  
 نہ کہتے کیلم سے سنا دہو نہ رہے جبینِ قمر سے خوش  
 سوئے زلف ہی۔ نہ گزر کرے۔ رگِ جاں میں بھی کبھی گھر کرے  
 وہی بلِ تو چھ ادمہ کرے جو ہو وصلِ مجھے کمر سے خوش  
 یہ نہیں شبہ دل میں نہ ٹھانیے۔ مرے محو ہونے کو مانیے  
 اگر آنکھ جھپکے تو جانے کہ نہیں میں برقی نظر سے خوش  
 نہیں مصیبت کی کچھ انتہا۔ کوئی کارِ نیک تو ہو بھلا  
 کروں اہلِ شہر کو اسے خدا میں بولائے دہن سے خوش

سلسلہ مطابق سلسلہ میں انتقال فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین  
بختیار کاکی رحم کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

۱۲۰ غزل

ساقیا بچو سب بھال ہمیں  
گر زہے کیا کیا نہ احوال ہمیں  
مردہ صد ہزار سال ہمیں  
کسی صورت نہیں زوال ہمیں

پی کے گرنے کا ہی خیال ہمیں  
مثب نہ آئے جو اپنے وعدہ پر  
تیرے غصہ نے ایک دم ہیں کیا  
دل میں مضمحل معنی باقی

طالع بد سے تیسرا رشتہ  
اپنے ہی گھر میں ہی وصال ہمیں

۶۱۸۸۴  
۴۶-۴۷

مولوی غلام حسین بگرامی ولد سید خلف علی۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت  
زید شہید بن امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ بگرام کے باشندے تھے ۱۲۴۹  
میں وہیں پیدا ہوئے۔ واجد علی شاہ کے عہد میں لکھنؤ تشریف لائے اور وہاں  
علوم عربیہ حاصل کیے۔ شاعری میں پہلے آپ شعر دہن سے اصلاح لیتے رہے  
ان دونوں کی وفات کے بعد شیخ امداد علی بجرار شد تلامذہ حضرت ناسخ کے

دل و جگر بلکیوں پر بچھاؤ تو جان قربان ہو لبوں پر  
 اب ایک سر ہو اُسے بھی لیکر قدم پر اپنے فدا کرو تم  
 نباہ ہو گا اسی میں باہم ہے یہ دونوں طرف کا عالم  
 کریں تکلف نہ تم سے کچھ ہم نہ ہم سے شرم و حیا کرو تم  
 ہزار دل ہوں جو اے جفا جو دینِ تم سے نہیں سیر  
 اسیر گیسو قلیل ابرو و شہیدِ ناز و ادا کرو و تم  
 نگاہِ دل ہم سے خیر بہتہ دینِ اغیا بھی مکدر  
 دُرا نہیں احتیاج میں پر پھر اُس کے بار میں کیا کرو تم  
 ہمارے شہرِ گِ پھرک ہی ہے کہ روح اس میں لکے ہی ہو  
 تمام گردن لٹک ہی ہے ابھی نہ خنجر جدا کرو تم  
 ہوئیں جگہ آشنا گاہیں ہیں کفر و اسلام سے لایں  
 ملو تم اس سے وہ جس کو چاہیں نئے نئے آشنا کرو تم  
 ہمارے والوں کو سُن جو پاؤ لقیں کی غش کھلے لوٹھاؤ  
 نہ لوٹ جاؤ نہ غش میں آؤ تو دفعہ واہ واکرو تم  
 بہت نہ بچھڑکے اُسے رہو تم جھپٹے ہو اچھا پڑے ہو تم  
 جو ہر سہیلیوں کو کیا کہو تم گلے گالوں تو کیا کرو تم

چاک چاک اپنا گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا	وحشت دل کا جو سماں نہ ہوا تھا سو ہوا
سُج سوز آتش سوزاں نہ ہوا تھا سو ہوا	دل مرا شمع شبستاں نہ ہوا تھا سو ہوا
ابر چہ پر کبھی گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا	گھر کبھی خانہ زنداں نہ ہوا تھا سو ہوا
چہن عشق مہیا باں نہ ہوا تھا سو ہوا	زخم دل خوردہ نکداں نہ ہوا تھا سو ہوا
درد ز نگہ رنج جاناں نہ ہوا تھا سو ہوا	دل کبھی طفل دبستاں نہ ہوا تھا سو ہوا
یا خدا دیر میں سماں نہ ہوا تھا سو ہوا	کا فر عشق مسلمان نہ ہوا تھا سو ہوا
جو رو گنبد گرداں نہ ہوا تھا سو ہوا	دل کبھی گنج شہیداں نہ ہوا تھا سو ہوا
سُج انور سے میں حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا	کبھی اسے زلف پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا
ظلم و جور سے شب بھیراں نہ ہوا تھا سو ہوا	خانہ گورہ میں نماں نہ ہوا تھا سو ہوا

چشم انصاف سے طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا  
دل اختر چہنستاں نہ ہوا تھا سو ہوا

۴۸- ادیبیہ

مولوی سیف الحق ولد مولوی احسان الحق دہلوی محدثہ ۱۲۸۷ء میں پیدا ہوئے  
حضرت مولانا شاہ عبداللہ بنی محدث دہلوی ان کے مورث اعلیٰ تھے۔ عربی فارسی  
اور خط و قلم میں اچھی ترقی حاصل تھی۔ فن سخن میں حضرت غالب کے مرثیہ گو  
تھے۔ شاعری کے علاوہ زبردست انشا و پرواز تھے ۱۲۸۷ء میں موہڑ کوٹ

## صفحہ ۶۱۸۹

صاحبزادہ محمد صفدر علی خاں۔ خلیفہ نواب محمد سعید خاں والی رام پور  
 آپ رام پور کے صاحبزادوں میں خوشگو۔ عالی فکر شاعر تھے۔ حضرت امیر  
 بینائی کے شاگرد تھے۔ طبیعت میں شوقی۔ مضامین میں گرمی ہی آپ کا  
 دیوان مطبوعہ موجود ہے۔ چوتھی شاعری کی دنیا میں وقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے  
 زمانہ قتل جنرل اعظم الدین خاں میں وارد و گلنتہ تھے۔ اس کے چند سال کے بعد  
 وہیں انتقال ہوا۔ تاریخ انتقال ۲۶ جمادی الآخر ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۷ جنوری  
 ۱۸۶۹ء کو رام پور میں دفن ہوئے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

### غزل

<p>سا مناجب ہو گیا سارا گلہ جاتا رہا          تھا جو سرکارِ جہنم سے سلسلہ جاتا رہا          دل کے بہلانے کا یہ بھی مشغلہ جاتا رہا          دل لگانے کا کسی سے حوصلہ جاتا رہا          محسب کا سکونہ قاضی کا گلہ جاتا رہا          سر سے وہ سودا دوس کو لوہہ جاتا رہا</p>	<p>تھا سکا بیت کا جو ان سے حوصلہ جاتا رہا          فصل گل میں بیڑیاں کاپیں عبتِ خدا          وائے منتِ تجوزی میں کھو گئی تصویرِ یاد          اس قدر صدمے سے ہم نے توں کے عیش          جام ٹوٹے اتنے دو جرجینہ زنگ سے          تھیں وہ ساری خشتیں چوٹیں جہنم کی کباب</p>
--	---



عذاباں ہو دل مجروح میں کیونکر محفوظ شق سینے میں بنا سوڑ تو آنکھوں میں شرک	زخم کے چور سے دشوار نگہبانی ہو طرفہ نشو و نہر کہیں آگ کہیں پانی ہو
کے ہو بہر ہی طبع ازل سے ہمراہ مدمر ہو نچا پیش دل سے تن نازک کو	چین مانگے کی تمہارا خط پیشانی ہو وصل کی شب مجھے یہ آن سے پیشانی ہو

خون غنچہ گل سینہ بلبل ہو عزیز  
کثرت زخم ہو چھالوں کی فرادانی ہو

۱۵۔ فروغ ۱۸۹۳ء

شاہزادہ میرزا قیصر بخت دہلوی خلیفہ میرزا قادی بخت صابر میرزا جواں بخت کے  
نام سے دہلی کو چھوڑ دیا تھا اور بنارس میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ہمیشہ یونین و  
طالب و ذوق کے مشاعروں میں شریک رہتے تھے۔ شاعری میں اپنے والد  
کے شاگرد تھے۔ مگر امام بخش صہبائی اور عبدالرحمن خاں صاحب احسان کو بھی  
اپنا کلام دکھاتے رہتے تھے۔ نہایت پر مضمون اور معنی خیز اشعار کہتے تھے صاحب  
دیوان تھے۔ میرزا قیصر کے قریب انتقال ہوا کلام یہ ہے:-

## جلوہ بیگانہ

شوخی تیری چشم بقا میں مُندک تیری بادِ صبا میں		جلوہ تیرا راہِ فنا میں قوسِ تیری دستِ دعا میں
	زنجبَتِ تیری برگِ حنا میں عصمتِ تیری چشمِ حیا میں	
ہر اکِ دل میں جلوہ تیرا بزمِ تصورِ کمرہ تیرا		اسے تو اور کرشمہ تیرا پردہٴ وحدتِ پردہ تیرا
	صورتِ پیاری نامِ خدا ہی رنگِ نرالا ڈھنگِ نیا ہی	
بستی تیری شہرِ خوشاں پر تو تیرے سارے خواباں		تو ہستیِ مادہٴ عفاں غمرے تیرے فتنہٴ دوراں
	چشمِ موسیٰ خلوتِ بتری سب سے ادھمل صورتِ تیری	
مُحفلِ تیری چشمِ پُر غم عاشقِ تیرے نالاں پُر غم		بزمِ میں تیری ہو کا عالم شیخِ تکلمِ دستِ ماتم

اور بیچ انسانی مسئلہ کو بدایوں میں انتقال ہوا۔ انتقال سے ۳۰ سال قبل عاشق  
شعر کہنا چھوڑ دیا تھا۔ صرف نعت و منقبت لکھا کرتے تھے اور ذکر و شغل میں مشغول نہ  
زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی اپنا دیوان مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ زمانہ شباب  
کے عاشقانہ کلام کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ انتقال کے بعد بعض شاگردوں نے  
آپ کے کلام کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ جس میں ہر قسم کا کلام جو دستیاب ہو سکا  
داخل ہے۔ یہ کتاب کلام دلدار علی مذاق کے نام سے بدایوں میں طبع ہوئی ہے  
نمونہ کلام درج ذیل ہے

### غزل

جو گرم ہو حُسن اُس حسین کا۔ نہ وہ پری کا نہ جو رعیں کا  
نقاب اُسے روئے آتشیں کا تو چاندیل جا چو دھویں کا  
قلم کو زہرہ نہیں رقم کا۔ ہو دل میں دفتر بھرا الم کا  
ورق ہو جو اس کتاب غم کا۔ وہ ایک دیوان ہو خزیں کا  
تلاشیں دیو حرم ہو بجا۔ کہ جا بجا ہو وہ جلوہ فرما  
جہاں پہ ڈھونڈا وہیں پہ پایا۔ ہر اک کماں ہو اسی کیس کا  
ہوا جو طفل سرشک پیدا۔ بنا وہ جلوے میں سرشک بستی  
کیا تھا کچھ ہم نے وقت گریہ۔ خیال اُس چشم سرملین کا

# امید

## امید سے خطاب

کلیسا میں بسنے کی ادابن گئی تو  
یہ پرہیز کی ہویات سن لے نہ کوئی  
لگائی ہو لو تجھ سے اچھے ہوؤں نے  
ہر اک رنج و غم کو کیا محو تو نے

حرم میں پہنچ کر خدا بن گئی تو  
کہ پرہیز میں کیا جانے کیا بن گئی تو  
اندھیرے گھروں کا دیا بن گئی تو  
ہر اک درد دکھ کی دوا بن گئی تو

بیاں کے سوا تو نے سب سے بھائی  
یہیں آکے بس بے دفا بن گئی تو

انتخاب از ایشیائی شاعری کی الوداع یعنی

۱۳۸  
رخصت عروس

## ۵۵۔ امیر شہزادہ

منشی امیر احمد مینائی۔ ولادت ۱۶۔ شہان ۱۲۲۲ھ بہ عہد شاہ نصیر الدین حیدر  
بنقام لکھنؤ۔ وفات ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۵ھ بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۷ء بمقام حیدر آباد  
دکن۔ بہرالدولہ مدبر الملک منشی سید مظفر علی خاں امیر لکھنؤ کے قابل فخر شاگرد ہیں  
اور بعد وفات اوستاد کے شہرے لکھنؤ میں بجائے خود استاد اور یادگار سلف  
مانے جاتے تھے۔ اُن کی اور حلال کی وفات نے لکھنؤ کے معمر کہن مشق شعرا  
کا خاتمہ کر دیا امیر مینائی کی معادلات بڑی حد تک کافی و وفانی تھی۔ زبان اُردو  
کی قہیتی تھی کہ امیر اللغات کا پورا مواد جمع تھا مگر صرف الف حمدودہ و مقصورہ کی دو  
جلدیں چھپنے پائی تھیں کہ آپ نے وفات پائی اور اب امیر کا ہمسرا و رُس پایہ  
کا محقق کوئی نظر نہیں آتا اُن کے شاگرد سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ایک  
دیوان نعتیہ اور دو دیوان عاشقانہ ایک فتویٰ صبح ازل اور ایک شام ابد۔  
تذکرہ انتخاب یادگار اور متعدد مسدس وغیرہ ان سے یادگار ہیں۔ نمونہ کلام یہ

(۱۲۸)

۱۲۸

چوٹ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں آج بجلی گری کہیں نہ کہیں ہاے کچھ وقت واپس ہیں نہ کہیں سہم جائے وہ ناز نہیں نہ کہیں	ضبط کرنا دلِ حزین نہ کہیں مسکرا کر وہ شوخ کہتا ہو دل میں باتیں بھیجیں کہیں کیا کچھ نہ تڑپ اس قدر دلِ بیتاب
---	---

پیدا ہوئے۔ خاندان کچھوہ جس کے نواب صاحب مرحوم ایک ممتاز رکن تھے  
 پنجاب کے مشہور تاریخی خاندانوں میں سے ایک ہیں۔ اس خاندان کے مورث  
 اعلیٰ نواب نجات خاں صاحب تھے جو مشاعرے کے قریب افغانستان سے  
 آئے تھے۔ اور جنھوں نے ضلع کرناں اور انبالہ میں ایک علاقہ پر حکومت  
 حاصل کر کے کچھوہ کو آباد کیا تھا۔ جو اس وقت تک ریاست کچھوہ کا صدر  
 مقام ہے۔ نواب غلام احمد خاں صاحب مرحوم ابتداً عمر سے علمی مذاق رکھتے  
 تھے اور بچپن ہی سے ان کو شعر و شاعری اور تصنیف کا شوق تھا چنانچہ  
 دس برس کی عمر میں انھوں نے ایک قصہ بنام قصہ کرشن نظم میں لکھا تھا  
 عربی اور فارسی کی تکمیل کے بعد ایک مدت تک نواب صاحب نے لک میں  
 سیروسیاحت کی اور اُس کے بعد ایک عرصہ تک ریاست ٹونک میں مختلف  
 عہدوں پر ممتاز رہے۔ مشاعرے میں ریاست گوالیار میں ملازم ہوئے اور  
 ہمارا راجہ جیا جی راؤ نے ضلع جیسے گڑھ کا انتظام ان کے سپرد کیا جس کی یاد آج تک  
 وہاں کی رہا یا کہ زبان زد ہے۔ مشاعرے میں ہمارا راجہ جیا جی راؤ کی وفات پر  
 گوالیار میں جب کونسل آف ریجنسٹی قائم ہوئی اس وقت ریاست کے تمام  
 مسلمان عہدہ داروں میں سے گورنمنٹ نے صرف نواب صاحب کے سپرد  
 اول صیغہ جوڈیشل اور بعد کو صیغہ تعلیم کیا۔ جس کے متعلق ان کی خدمات  
 آج تک ریاست میں مشہور ہیں اور جس کے اعتراف میں ۱۹۹۳ء میں گورنمنٹ  
 ہند کی طرف سے نواب کا خطاب مرحمت ہوا۔ ۱۹۹۳ء میں کونسل کی مدت  
 ختم ہونے پر نواب صاحب فریض منصبی سے سبکدوش ہو گئے اور آخر وصال

نرالا رنگ اپنی پیش نظر گزرا جنتاں ہو کر  
 جنہیں طفلی میں صرف بازی چوگان و گو پایا  
 وہی مجھ خود آرائی نظر آئے جو اں ہو کر  
 تنِ عریاں کو ملبوس عنایت کی تمنا ہی  
 لباسِ جسم بھٹ جائے گا اک دن دھجیاں ہو کر  
 کہاں کا ضبط کیسا ننگِ جوشِ یاد باری میں  
 دل بیتاب پہلو سے نکل بھاگا فناں ہو کر  
 زباں کو میری گویا کر الٹی اپنی مدحت میں  
 کروں مردہ دلوں کو زندہ دلِ محزبیاں ہو کر  
 ترے آثارِ قدرت پر کروں دلچسپ تقریریں  
 جھکاؤں گردنیں پیرانِ پیکر کی جو اں ہو کر  
 کمر کتنا ہوں تیرے نام پر تو مجھکو ہمت دے  
 سہارے پر ترے اٹھتا ہوں تیرا حِج خواں ہو کر  
 جہاں بھولوں تما جس جا بہک جاؤں ہدایت کر  
 جو ہو لغزش تو مجھکو ختام میرا مہرباں ہو کر  
 بھروسے پر تری امداد کے بیڑا اٹھایا ہی  
 فلک کے بوجھ اٹھانے پر تلا ہوں ناتواں ہو کر

<p>چپ ہیں کیوں بلبلیں گلستاں میں موجھتے ہم تو یادِ جاناں میں میرے سینے میں تیرے ایماں میں تار باقی رہے نہ دامان میں کچھ تو ہوشنل روزِ ہجراں میں</p>	<p>ولو اذ خیز ہو نسیم ہمارے کس کو معلوم جان کب نکلی وہ گنگا میں ہیں رخنہ گرا دی شیخ ہاں سبک دستی جنوں ہشتیا را دل خراشی ہو یا جگر سوزی</p>
---	--

دردِ دل کی نہیں دو اوجھڑ  
آپ ناحت ہیں منکر و رماں میں

## (۵۷) زکی - سلسلہ

سید محمد زکریا خاں صاحب خلف سید محمود خاں - نمبر۱۰ اب علم الدولہ  
میر محمد خاں سرور دہلوی مولف تذکرہ شعرائے اردو و سادات کشمیر سے تھے۔  
سلسلہ کو دہلی میں پیدا ہوئے فن شاعری میں مرزا غالب کے شاگرد تھے  
ان کو مرزا نے اپنی تخریر میں جو زکی کے مطبوعہ دیوان میں شامل ہوا اچھا شعر  
کھنے والا اور اپنا شاگرد رشید لکھا ہے۔ الہ آباد - بریلی - گورکھ پور اور آخر عمر میں  
بیالوں میں ڈپٹی انسپکٹر مدرس رہے وہیں سلسلہ میں وفات پائی اور  
حضرت سید احمد صاحب رحمہ والد نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں دفن  
ہوئے کلام یہ ہے۔



نہ مجھ سے چھٹے کی رزم سے چھٹے گی	محبت سری نے وفائی تمہاری
ملو بھی تو وحشت میں کیوں کر ملوں میں	بجا ہو یہ نا آشنائی تمہاری
مرے اضطراب و قلق کی کشش کیا	ہیاں تم کو شوخی ہی لائی تمہاری
وہ زلفیں کھلیں گی کہیں حضرت دل	ہوئی سخت مشکل رہائی تمہاری

حسینوں کو چھپ چھپ کے تم دیکھتے ہو  
 ترکی دیکھ لی پارسائی تمہاری

(۵۸) داغ ۱۹۰۵ء

نواب میرزا خان دہلوی مشاگرد رشید ذوق دہلوی ولادت دہلی محلہ بھارلاں  
 ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء وفات حیدر آباد دکن میں بتاریخ ۱۲۳۵ھ مطابق  
 ۱۵ فروری ۱۸۱۹ء یوم الحج ان کے حالات اس قدر شہرت پذیر ہیں کہ حاجت تحریر  
 سے نہ نیاز ہیں انھوں نے اپنی زندگی ہی میں وہ ناموری حاصل کی کہ کسی کو کم  
 نصیب ہوئی ہوگی تقدیر پر اسالی میں ایسی چمکی کہ عہد سلطنت مغلیہ میں  
 کسی کی خوش تقدیر استناد کے ساتھ زمانہ موافقت کر جاتا تھا حضور نظام شاہ  
 بادشاہ دکن کی قدردانی اور تلمذ نے ان کو چار چاند لگا دیے متاخرین دہلی  
 میں ایسی اچھی زبان ایسی حاضر طبیعت ایسی دل پذیر غزل گوئی سننا یہی

یہ جان تم نہ لو گے اگر آپ جاے گی  
اس نے وفا کی خبر کہا تک منائیں ہم  
مانو کہا جفا نہ کرو تم وفا کے بعد  
ایسا نہ ہو کہ پھر لیں اُلٹی دعائیں ہم

تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ  
ایر و اعلیٰ کس طرح مجھے دل سے بھلاؤں ہم

( ۱۳۵ )

لذتِ سیر و گر چشمِ تمنا لے گی  
ایک بار اور بھی دنیا بھی پٹائے گی  
شکوہ و ہرنہ بیدادِ فلک کی فواد  
حشر میں خلقِ خدا نام تمہارے گی  
گٹ چکے جان و دل و صبر و در وصال  
کیا دھرا ہو شبِ غم کے یہاں کیلے گی  
ایک مدت سے یہ بیداد ہمارے مٹی  
ویکھے کب ترے دامن کا سہارے گی  
چین سے آپ رہیں کچھ مری پروا نہ کریں  
کیا شبِ ہجر بلا ہو جو مجھے کھائے گی  
دل کا سودا تری زلفوں سے بنا کھا تھا  
کیا خبر تھی کہ نگہِ مفت میں ہتھیلے گی  
کام بگڑا نہ بنا سے سے بنے گا ہرگز  
بہری تدبیر نہ تقدیر سے بدلے گی

شاہ و بندہ کا وہ فیض ہی جاری ایر و اعلیٰ  
حشر تک میں سے مرنے دینے لے گی

( ۱۳۶ )

ایر و اعلیٰ بیجے جی بھر کے نظار ہم کو  
جا کے آنا نہیں دنیا میں و بارہم کو

ہماری آنکھوں نے بھی تماشا عجیب عجبِ ثواب دیکھا  
 بُرائی دیکھی بھلائی دیکھی عذاب دیکھا ثواب دیکھا  
 نہ دل ہی ٹھہرا نہ آنکھ چھلکی نہ چین دیکھا نہ خواب آیا  
 خدا دکھائے نہ دشمنوں کو جو دوستی میں عذاب دیکھا  
 طرب میں جس سے ہر جان محروم اُسی کو گردش وہی ہر پرچوں  
 کہ چرخ زن مثل دو برگِ گردوں دامِ جامِ شراب دیکھا  
 نظریں ہوتیری کبریا ئی سا گئی تیسری خود نمائی  
 اگرچہ دیکھی بہت خدائی مگر تیرا جواب دیکھا  
 پڑے ہوئے تھے ہزاروں پروردگیم دیکھو توجیب ہی نش تھے  
 ہم اُس کی آنکھوں کے صدقے جس نے وہ جلوہ یوں عجب دیکھا  
 جو راہ میں تیری آگے بیٹھے وہ فکر دیر و حرم سے چھوٹے  
 کہ تیرے کہے کے سالکوں نے بہشت میں بھی عذاب دیکھا  
 یہ دل نوا سی عشق گھر ہی تیرا کہ جس کو تو نے بگاڑ ڈالا  
 مکاں سے تالا مکاں جو دیکھا گنجی کو خانہ خراب دیکھا  
 سرور و عیش و نشاط کیسے بدل گئے رنگ ہی جہاں کے  
 سنا نہ کانوں سے تھا جو ہم نے وہ آنکھوں سے انقلاب دیکھا  
 جو کھلے پایا تو کچھ نہ پایا یہ خاکدان ہم نے خاک پایا

کہ اُن سے جو التجا سے کہنا غضب ہو اُن کا وہی نہ کرنا  
 ہوا ہر گز شوقِ آئینہ سے تو رخ ہے رستی کی جانب  
 مثالِ جارضِ صفائی رکھنا برنگِ کاکل کجی نہ کرنا  
 وہ اکسا ہمارا طریقِ الفت کہ دشمنوں سے بھی لکچنا  
 یہ ایک شیوہ تراستگر کہ دوست سے دوستی نہ کرنا  
 ہم ایک رستہ گلی کا اُس کی دکھا کے دل کو ہو پیشیاں  
 یہ حضرتِ خضر کو جفا دو کسی کی تم رہبری نہ کرنا  
 بیانِ دردِ فراق کیسا کہ اہی یہاں اپنی حقیقت  
 جو بات کرنی تو نالہ کرنا نہیں تو وہ بھی کبھی نہ کرنا  
 مدار ہو ناصو بھقیں پر تمام اب اُس کی منصفی کا  
 ذرا تو کہنا خدا لگی بھی فقط سخن پروری نہ کرنا  
 بُری ہر اسی داغِ راہِ الفت خدا نہ لیجائے ایسے رستے  
 جو اپنی تم خیر چاہتے ہو تو بھول کر دل لگی نہ کرنا

(۵۹) محسن ۱۹۰۵ء

مولوی محمد حسن خلیفہ مولوی حسن بخش علوی۔ آپ فاضلہ کا کوری کے ایک نثرین

سست کپوں ہو کر پیارے حسن  
 یار کیا ہو گئی حالت تیری  
 بہ گیا خون دل آنسو ہو کر  
 اسے صورت تری مرجھائی ہوئی  
 ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں پر نم  
 عرق آیا ہوا پیشانی میں  
 سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر  
 اپنی جاتی ہوئی تونیا دیکھو  
 اڑ گیا آنسو پارا ہو کر  
 شمع کی طرح سے جلتا ہو کیوں  
 جن کی کلیوں میں چھبے ہیں کانٹے  
 لٹ گیا تیرا شہناں جوڑا  
 ناتوانی کو بھی غش آنے لگا  
 رات ہم نے تجھے سوتے دیکھا  
 لیلی کہتی ہو بلائیں لیلیوں  
 کوہ کن بھی تجھے پتھر مارے  
 آپ ہی چھپر کے شرماتے ہو

ہیں یہ کہا رنگ تمہارے حسن  
 نہ وہ صورت نہ وہ میرت تیری  
 اڑ گیا رنگ ترا ہو کر  
 حیف حالت تری دکھ پائی ہوئی  
 لب پہ آئے ہوئے نالے پیہم  
 چہرہ ڈوبا ہوا حیرانی میں  
 زردی چھائی ہوئی رخساروں پر  
 مردنی چھائی ہو چہرہ دیکھو  
 چھپ گیا چاند ستارا ہو کر  
 ہر دم اک رنگ بدلتا ہو کیوں  
 یہ انگر کھترے گلکاری کے  
 کا مدانی کا پہننا چھوڑا  
 رنگ اڑا کر کے بکھر جانے لگا  
 بند آنکھیں کیے روتے دیکھا  
 کس بلا کا تو ہوا ہو مجنوں  
 کوہ پر جا کے اگر سارے  
 باتیں کرتے ہو تو راک جاتے ہو

تو کہیں ایک نہ مانی آخر چاندنی پچھلے پہر کی کب تک دلِ ناشاد کو رکھتا ہو میں بس مجھے اُتے ہیں چکڑے ساتی اتھ لینا مجھے غش آتا ہی تیری محفل کا یہی طور ہے	مٹ گئی تیری جوانی آخر روشنی شمعِ سحر کی کب تک نہ سہی یار نہ ہو پہلو میں لے مرے اتھ سے ساغر ساتی دل کہیں اور لیے جاتا ہی دور جب تک رہے یہ دور ہے
---	--

## (۶۰) ارشد ۱۹۰۶ء

ارشد صاحب عالم میرزا عبدالغنی گورگانی دہلوی خلیفہ میرزا علی بہادر سلسلہ نسب  
حضرت احمد شاہ بادشاہِ دہلیک پہونچا ہی۔ آپ کی پیدائش تلودہلی میں ہوئی۔ غدر میں  
چھ سات برس کی عمر ہی شاہزادہ میرزا قادر بخش صاحب سے علم عروض حاصل کیا اور فن  
سخن میں ان کے شاگرد ہو گئے شاعری کے علاوہ فنِ موسیقی میں کامل استعداد تھی۔  
خرشیدِ اسلام پڑھنے کا شوق تھا۔ تاریخ گوئی میں کامل تھے طرزِ قدیم کے علاوہ جدید  
طرز میں بھی نظم لکھتے تھے۔ سرِ مشقہ تعلیم پنجاب میں ملازم تھے ان کی عمر کا زیادہ حصہ  
فیروز پور میں گزرا تھا ۱۲ فروری ۱۹۰۶ء کو ملتان میں انتقال کیا کوئی دیوان نہیں چھاپا

۱۲۶- غزل

الہی جان دی ہو میں نے کس کے روئے روشن پر

سہارن پور سے دہلی آکر آباد ہوا تھا۔ ان کے والد خاقانی ہندو ذوق کے شاگرد تھے راسخ نے اپنے والد سے استفادہ حاصل کیا آپ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ اخبار نویس بھی تھے ظرافت پسند طبیعت پائی تھی جس کی وجہ سے طریقہ اخبارات کی ایڈٹری کرتے رہے۔ قادر الکلام شاعر تھے ۲۹ ستمبر ۱۹۰۶ء کو عمر ۴۴ سال فوت ہوئے۔ دو دیوان چھپ چکے ہیں۔

### ۱۳۱ غزل

کہاں تھے شب اودھر دیکھو حیا کیوں ہر گناہوں میں کر  
اگر منظور ہی رکھ لوٹتے جھوٹے گواہوں میں  
سیہ کاری مری بن جاے رشتک گیسوے خوباں  
قیامت کو چھپا بیٹھا رہوں یا رب گناہوں میں  
موجود وہ ہوں گر میں ستر و حدت کان ہیں کدوں  
مؤذن بت کدہ میں ہوں برہمن خالق ہوں میں  
نظر مجھ سے چرا کر منہ چھپا کر کہتے جاتے ہیں  
کہ یہ چوری بھی لکھی جاے گی تیرے گناہوں میں  
تعجب کیا ہر نکلے کوئی دن میں ناگ بھی ٹیڑھی  
غضب کا بانگین دیکھا ہی ہم نے کج کلاہوں میں

## (۶۲) شہباز ۱۹۰۸ء

مولوی سید محمد عبد الغفور خلیفہ سید طالب علی ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے ابتدا سے مصنفوں نگاری کا شوق تھا اخبار دار السلطنت دہلی و گاندھلکٹہ کے ایڈیٹر رہے تھے۔ اس کے بعد ریاست حیدرآباد میں تعلق ہو گیا، یہاں اورنگ آباد کالج میں پروفیسری کے عہدے پر ممتاز رہے بعد پال میں سرپرستہ تعلیم کے ڈائریکٹر رہے اور دوسرے علاوہ فارسی زبان میں بھی برجستہ شعر کہتے تھے آپ اخبار اور پینچ لکھنؤ کے ممتاز نامہ نگاروں میں تھے آپ کی نظم کا مجموعہ خیالات شہباز کے نام سے شائع میں نظامی پریس بدایوں میں چھپا ہوا ان کی نظموں میں فلسفہ انسانی کی باریکیاں اور قدرت کے نکات صاف اور ستھری زبان میں نظر آتے ہیں۔ ہر نمبر شہباز مطابقت ۱۳۳۷ھ کو وفات پائی کلام کا انتخاب سچ ذیل ہے۔

۱۳۳۷-۱۳۳۸ھ

پڑے جس میں کروڑوں ابن طوے  
کروڑوں جس میں اسرار الہی  
عیاں جس کی اونچائی شہود سے  
سمیٹے خوابیں سنا و جس کا

ہری ہواک عظیم الشان شوے  
ہزاروں جس میں مخفی گنج شاہی  
زیادہ جس کی گہرائی خود سے  
خیالوں سے بڑا پھیلا و جس کا



امعا جو بڑے پھر نہ ہوے ایک تھیم	معدے میں گرچہ ہم مسلم مطلب ہوا
شہباز کو کہ فرض سے تھا دور جو بزرگ	کیوں کر خیالِ نافرمانی و استغاب ہوا
جب تک ہا وہ ہند میں تھا شیخ فاسقاں	کہے گیا تو قبلہ شیخ العرب ہوا

### (۳۳) راقم ۱۹۰۹ء

خواجہ قمر الدین دہلوی بدرالدین مترجم بوستان خیال کے بیٹھے تھے مرزا غالب مرحوم کے لٹا کر ریاست بے پور کے وظیفہ خوار تھے آخر عمر میں دہلی چھڑ کر دیں پلے گئے تھے اُن کا دورانِ مسافر میں فضل المطالع دہلی پہنچ ہو چکا ہے ہشتادہ کے قریب انتقال ہوا ان کی ایک کتاب تعلیم نسواں میں عقدِ نریا کے نام سے یادگار ہے۔

### ۱۳۴۲ غزل

بات کیوں کر بنے اُمید رہے کیوں	نالہ پر شور نہیں اُدھر شرر بار نہیں
اُج آتے ہیں مرے شکوے لے لینے دھن	خیر ہو اتھ میں اُن کے کوئی تلو نہیں
بُرج سے نفرت سہی لذت کشِ ازل تو ہوں	غیر پھر غیر ہو وہ خواہر آزار نہیں

جوشِ سستی میں چلے آئے کہاں تم راقم  
یہ تو مسجد ہو چلو خانہٴ ہمار نہیں

دستِ قدرت نے دکھائیں ایسی شکلیں کھینچ کر  
 کوئی از خود رفتہ اور کوئی تماشائی ہوا  
 کون ہو سکتا تھا دنیا میں کسی کا روشناس  
 پھپکے ہر پردہ میں تو وہ شناسائی ہوا

اویسیتب دور کر دے سبج و حرام حبیب  
 وہ بھی کوئی شہر ہو جس کا یہ تماشائی ہوا

(۶۵) جلال ۱۹۰۹ء

سیدضامن علی خلیف حکیم اصغر علی لکھنوی۔ مرزا برق ورشک شاگردان  
 ناسخ کی تلامذہ میں کئے تحقیق میں اچھی دستگاہ تھی ان کی تصانیف ان کی قابلیت  
 کی شاہد ہیں تنقیح اللغات افادۃ تاریخ۔ رسالہ عروض۔ سرمایہ زبان اور دو (نعت)  
 اور تین دیوان اُن سے یادگار ہیں انہوں نے اپنی وفات پر لکھنوی میں اپنا ہمسر کوئی  
 نہ چھوڑا۔ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں انتقال ہوا بہت سے شاگرد و چھوٹے۔

۱۳۲۲۔ غزل

جنیبِ دل کھینچ اسے دست و گریباں ہو کر

<p>وقت پر بھول نہ جانا یہ تجھے یاد رہے نالہ خاموش ہے چپا بھی فریاد ہے سو وفا میں مری اور اکٹیلے یاد ہے ہم کو ناشاد لقب اس نے دیا تھا ہے تیرے آوارہ پس مرگ بھی برا ہے شاد ہونے کی تمنا میں تو ناشاد ہے</p>	<p>اُس سے کچھ ذکر مرا بھی لے لے ناشاد رہے کسی بیدار کو میں حال سنا لوں اپنا یار کی ایک جگہ کے مرے دل میں داغ نامرادوں کی ہوشیں آج مرا دیں پوری روح جنہیں دل ہم میں نہ ہم ہفت میں اب کسی سے کیسے کہہیں رنج ہی ہے</p>
---	---

خیر بھولے نہیں وہ تیری فادوں کو جلال  
یہ غنیمت ای کہ جو اپنے انھیں یاد رہے

## (۶۶) آزاد سلسلہ

پروفیسر مولوی محمد عین آزاد شمس العلماء۔ ان کے والد کا نام محمد باقر تھا جو نثر فارسی  
میں ایک مشہور شخص تھے انھوں نے ۱۸۹۳ء میں اردو زبان کا سب سے پہلا اخبار دہلی  
سے شائع کیا تھا وہ شاعر بھی تھے اور استاد و ذوق ہی سے تلمذ کرتے تھے لیکن  
ان کا کلام مشہور نہیں ہوا نہ دیوان چھپاؤں کو اردو نثر میں اپنے خاص رنگ  
کے سبب بہت کچھ شہرت حاصل ہوئی۔

<p>اور نعل میں کئی جز دان ہائے آئے تیکتے آپ کرامت کا عصا آتے تھے پہلے سب سے باوب دستار دعا پھیلائے علم نے بھیجا اور تقدیم رسالت کے لیے ہر اک شہرت و تعریف میں مصروف سدا اور جہاں میں نہیں غلہ و محرو شام نہیں آتے ہیں کارگر و دہریں اُستاد نئے ہیں جمعیت خاطر ہی کی باتیں ساری ملتے ہیں پہلے ضرورت سے ہا کمالاں کشور علم میں سب بھر دے دم تیرے ہیں</p>	<p>ساتھ کچھ لوگ کتابیں تھے اٹھائے گئے سب کے سب نیچے بصدق و صدا آتے تھے الغرض بادشہ امن کے آگے آئے پھر یہی عرض کہ آتے ہیں کالت کے لیے ال تصنیف میں تصنیف میں مصروف سدا ال تحصیل کو پڑھنے کے سوا کام نہیں وہ دم علم ہی کرتا عمل ایجاد نئے درس و تدریس کے چرچے ہیں جو گھر گھڑی جو ہیں علم نہیں موجود ہیں سائے سا ماں ادشہ امن پر سب فیض و کرم تیرے ہیں</p>
--	---

تو نہ ہووے تو ابھی خلق میں طوفاں ہو جا  
سب کا شیرازہ اوراق پریشاں ہو جا

زمستان

۱۳۹

<p>اور جو تھکے ہوئے تھے وہ بیخ ہو کے جم گئے دیکھا غلات برف میں منہ کو لپیٹ کر</p>	<p>جارے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے دامان کو ہسار میں سورج بھی لپٹ کر</p>
---	--

## (۶۷) سرورِ شاعر

منشی درگاہ سہارے ولہ حکیم پیارے لال - قصبہ جہان آباد ضلع سیلی بھیت  
کے باشندے تھے وہیں ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے زمانہ طالب علمی سے اساتذہ  
کے کلام کے مطالعہ کا شوق تھا۔ فطرت نے شاعری کا جو مادہ طبیعت میں بونیت  
کیا تھا اس مطالعہ سے وہ ابھر آیا اور خود بھی شعر کہنے لگے زیادہ تر نچلے لفظیں کہتے  
تھے جن کو سندھوستان کے ماہوار آئندہ رسالے ہفتوں ہفتہ لیتے تھے۔ ۱۹۱۱ء  
میں ان کی نظموں کا مجموعہ زمانہ پرئیں کاغذ میں چھپا ہوا ۳۲ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ۳۳ سال  
کی عمر میں جان فوٹ ہو گئے کلام کا انتخاب یہ ہی۔

## ۱۸۱ دل بے قرار سو جا

کسی مست خواب کا ہر عبت انتظار سو جا  
کہ گزر گئی شب آدمی دل بے قرار سو جا  
یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا کے سر دھجھو کے  
تجھے دے رہے ہیں لوری دل بے قرار سو جا  
یہ تیری صدائے نالہ مجھے مہتم نہ کر دے  
مرے پردہ دار سو جا مرے راز دار سو جا

رباعی مسدس پنجم - منشوی - غرض حمد اضافت سخن پر قدرت رکھتے تھے قدر کے بعد سے ریاست جو لوہ میں چلے گئے تھے وہاں کچھ دنوں رہے اس کے بعد ریاست ٹونک میں ملازم ہو گئے عفران آب ہر ہائی نس میر محبوب علی خاں ولی دکن کی قدر افزائی کا شہر و سن کر ریاست حیدر آباد میں تشریف لائے دیہا ایک رسائی نہ ہونے پائی تھی کہ علیل ہو گئے اور مارچ ۱۸۷۷ء میں لاہور منتقل ہوئے۔ انتقال فرمایا تین دیوان شایع ہو چکے ہیں۔ کلام یہ ہے۔

### (۱۸۴) غزل

کل فٹانی کے دم بھرتی ہو چشم خوں فٹاں کیا کیا  
ہمارے زیب دامن ہو بہار گلستاں کیا کیا  
فقط اک ساوگی پر شوخیوں کے ہیں گماں کیا کیا  
نگاہ تیرگیں سے ہو نہاں کیا کیا عیاں کیا کیا  
دلِ خو گشتہ حسرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں  
بہار آگیاں ہو کچھ اسبکے برس فصلِ خزاں کیا کیا  
جنوں سے کم نہیں ہو کچھ باجوہ شادمانی بھی  
ہواے گل میں ہو جامہ سے باہر باغباں کیا کیا  
تصور میں وصالِ یار کے سامان ہوتے ہیں

یہ سیکھ اپنا ہی جی نہ چاہا وگرنہ خوفِ رقیب کیا ہوتا  
 کہ آپ آتے تو اڑ گئے آتے نہیں پہ نقشِ قدم نہ ہوتا  
 غضب ہی شورشِ پیشِ قیامت سوا ہی دوزخ سے سوزِ الفت  
 وگرنہ جانِ حزیں پہ اتنا کبھی عذابِ الم نہ ہوتا  
 اگر عدو پر عذاب ہوتا نہ دل میں یوں پیچ و تاب ہوتا  
 جیسں پہ ہر دم شکن نہ پڑتی شکن سے ابرویں خم نہ ہوتا

ظہر ملتی نہ راہ ایماں جو کفر کرتا نہ رہنمائی  
 بلوں پہ یادِ خدا نہ ہوتی جو دردِ ہجر صدم نہ ہوتا

## ۶۹ آصفیہ

نیربائی نسِ نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ دس  
 آپ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء میں کچھ کم تین برس  
 کی عمر میں باقاعدہ تخت نشین ہوئے۔ انگریزی، عربی، فارسی، ستہ پنجابی، واقعہ  
 تھے اور لڑکپن سے علمی مذاق میں فرو و یگانہ تھے۔ شکار کا نہایت شوق تھا شرو  
 سخن سے آپ کی طبیعت کو خاص مناسبت تھی حضرت داغ دہلوی مرحوم  
 اس فن میں مشورہ دیتے تھے شریں سلاست زبان و مضمون آفرینی کا لحاظ

لگانا ہی دل کا سراسر خطا ہی

۴۰۔ تسلیمِ افسانہ

شیخ امیر احمد خلیف مولوی عبدالصمد صاحب فیض آبادی۔ شاگرد رشید  
میرزا اصغر علی خاں نسیم دہلوی آپ ۱۳۷۶ء میں جبکہ فارسی الدین حیدر سندھین  
ہوئے تھے پیدا ہوئے عرصہ دراز کا کھنوا ہیں رہے وہاں کے مشاعروں ہیں  
شرکت کی بل بھجن سے صحبت گرم رہی اس کے بعد نواب کلب علی خاں بہادر کے  
عہد میں رام پور تشریف لائے اور شاہ میر فقرا میں اپنی بلند خیالی اور سخن سرائی  
کی داد دینی آپ کے دو دیوان اور مثنویات نامہ تسلیم دل و جان۔ صبح خنداں  
طبع ہو چکی ہیں دور موجودہ کے شعرا میں نامور ستھم ۱۳۷۹ء میں انتقال کیا۔

۱۴۵۔ غزل

قیامت کی ہے تابی شرک چشم گریاں میں  
کبھی پہلے ہوگاں میں کبھی آغوشِ داماں میں  
دم طفلی سے میں ہوں آشناے مرگ وراں میں  
فلک نے مجھ کو پالا دامن شمشیر عریاں میں  
بنی ہو ہرے دم پر کہ میں پتھلے پہر آخر



۱۲۶۴ء مطابق ۱۷ ستمبر ۱۸۴۷ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی سے بخوبی ماہر تھے۔ وولون بابتوں میں عمدہ استعداد رکھتے تھے۔ خوش رو، خوش لباس۔ زندہ دل۔ رنگیں مزاج شاعر تھے۔ اساتذہ گزشتہ کے ذوق سخن سے آشنا ہو کر خود بھی معنی آفرینی کی طرف توجہ کرنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت عالی مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ آخر میں جناب داغ دہلوی کے ممتاز تلامذہ میں شامل ہوئے۔ ان کا کلام صفائی بیان اور جذبات سے مالا مال ہے۔ پہلے شاہ جہانپور میں وکالت کی۔ آخر عمر میں ریاست جودھ پور میں مجسٹریٹ تھے۔ نومبر ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا۔ کلام یہ ہے۔

### ۱۲۶۔ غزل

دوستی دشمنی نہ ہو جاے کہیں پہنچ سہی نہ ہو جاے آسمان مدعی نہ ہو جاے میری نیکی بدی نہ ہو جاے کہیں ترا ہدوی نہ ہو جاے موت بھی زندگی نہ ہو جاے ہونے والی ابھی نہ ہو جاے یہ ہوئی ان ہوئی نہ ہو جاے	درد دل میں کمی نہ ہو جاے کہتے ہو کوئی ہم کو دل کیوں دے تم مری دوستی کا دم نہ بھرو کچ ادائی تری ادا ٹھہری بٹھینا ہے ہمیشہ رندوں میں طالع بد وہاں بھی ساتھ نہ دے حشر پر دید کیوں اٹھا رکھی بھول جائیں نہ وہ جہا اپنی
--	---

کسی کو عقل۔ کسی کو تمیز ہاتھ آئی رلا زین کو شرف جلوہ حسیناں سے غرض کہ۔ میں نے کیا جس قدر خیال میں مگر نصیب سے بچو وہی رہ گیا محروم	کسی کو ذہن ہزاروں میں انتخاب ملا فلک کو بہر ضیا نور آفتاب ملا ہر ایک اپنی مرادوں پہ کامیاب ملا نہ کچھ عذاب ہی پایا نہ کچھ ثواب ملا
---	---

پھر اب کہو کہ ”دیا کیا کسی نے کچھ نہ دیا  
پھر اب کہو کہ ”ملا کیا کچھ نہ ملا“

## (۷۲) احسانِ علیہ السلام

احسان بنی احسان علی خاں خلع بنی قاسم علی خاں۔ آپ شاہجہان پور کے  
باشندہ تھے۔ ۱۱۳۸ھ مطابق ۱۷۲۵ء میں ولادت ہوئی۔ حکیم سیدضامن علی  
ہلال لکھنوی کے شاگردان رشید سے تھے۔ شاہ جہانپور میں مختاری کا پیشہ کرتے  
تھے۔ وہیں ایک اردو ماہوار رسالہ ”آرمغان“ کے نام سے جاری کیا تھا جو کچھ  
دنوں چل کر بند ہو گیا۔ جولائے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ دیوان ”رسالہ شبنم“  
آپ کی یادگار ہیں۔ کلام یہ ہے۔

۱۲۸۸- غزل

اس کو نہ سوچ چیمے کہ ستم یا کرم ہوا  
خیر اٹھاپے سمر تسلیم خم ہوا

آں دل کہ رم نموے از خبر و جاناں  
دیرینہ سال پیرے بردش بیکانگاہے

اُسی زمانہ میں انجھوں نے سرسید کی تحریک سے مسدس "مذہبِ اسلام" لکھا جس میں مسلمانوں کو ان کی گزشتہ اور موجودہ حالت کا نقشہ اس طرح دکھایا کہ سخت سے سخت دل میں ٹائفر کی ایک بجلی دوڑ گئی۔ اس مسدس کے شائع ہونے سے نہ صرف مسلمانوں میں ترقی کے جذبات پیدا ہوئے بلکہ اردو نظم کی تاریخ میں قومی شعری کی داغ بیل پڑ گئی۔ اس سے قبل اس کی نظم اردو میں موجود نہ تھی۔ اور نہ اس وقت تک اس پایہ کی کوئی دل گداز قومی نظم اردو میں پائی جاتی ہو یہ وہی مسدس ہے جس کی نسبت سرسید نے مولانا حالی کو اپنے خط مورخہ ۱۰ جون ۱۸۸۷ء میں لکھا تھا: "بٹیک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو میں اپنے اعمالِ حسنہ میں سے جھٹا ہوں جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا؟ میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھو لایا ہوں اور کچھ نہیں۔ یہ مسدس مختلف خطائے میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہو۔ ایک بے نقیس پاکستان ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں نامی پریس کانپور نے چھاپا تھا۔ اس سے قبل اسی مطبع ایسا ہی ایڈیشن رباعیاتِ عالی کا بھی شائع کیا تھا جس کی ملک نے بہت قدر کی مولانا حالی کا درجہ نثر نگاری میں بھی کم نہ تھا۔ حیاتِ جاوید۔ یادگارِ جاوید وغیرہ اس کی شاہد ہیں۔ دیوانِ عالی مع ایک مسوط مقدمہ کے شائع میں نامی پریس میں طبع ہوا ہو۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۷۷ء مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۷۸ء کو اجراء کیا گیا تھا۔

انتخابِ مذہبِ اسلام

	کہ بن جائے گی وہ طلاک نظر میں
وہ فجر عرب زیبِ محراب و منبر گیا ایک دن حسبِ فرمانِ اور تمام اہلِ کعبہ کو ہمراہ لے کر سورے دشت اور چٹھہ کے کوہِ صفا پر	یہ فرمایا سب سے کہ اے آلِ غالب سمجھتے ہو تم جھکوا صا و ق کہ کاذب کما سب نے "قول آج تک کوئی تیرا کہا اگر سمجھتے ہو تم جھکوا ایسا کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا تو بادِ کر و گے اگر میں کہوں تنکا
	کہ فوجِ گراں پشت کو ہِ صفا پر پڑی ہو کہ لوٹے تمہیں گھاتِ پار کہ پچپن سے صادق ہو تو اور میں ہو تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہو
	کہ سب قافلہ یوں سے ہو جانے والا ڈرواؤں سے جو وقت ہوئے والہ وہ بجلی کا کڑکا تھا۔ باصوبتِ ہادی نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی
	کہ گویا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے کہ گویا اٹھے دشتِ وحلِ نامِ حق سے

وہ لقمان و سقراط کے دُور ملکوں اوسط کی تعلیم، سولن کے قانون	وہ اسرار بقراط و دیس فلاطون پڑے تھے کسی قبر گنہ میں مدفون
یہیں آکے نہر سکوت اُن کی ٹوٹی اسی بلغ رعنا سے بو اُن کی بھٹی	
وہ تارے جو تھے مشرق میں لعل افکن نوشنوں سے پہنچ کے اب تک غزین	یہ تھا اُن کی کرنوں سے تاغریہ پُشن کتب خانہ پیرس و روم و لندن
پڑا غلغلہ جن کا تھا کشور وں میں وہ سوئے ہیں بغداد کے مقبروں میں	
(۱۵۲) ملتِ اسلامیہ اور دیگر اقوامِ ملل	
ملے کوئی ٹیلا اگر ایسا اونچا چڑھے اُس پہ پھر اک خرومند وانا	کہ آتی ہو وہاں سے نظرسازی و نیا کہ قدرت کے دگل کا دیکھے تماشا
تو قوموں میں فوق اس قدر پائے گا وہ کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ	
وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چین ہاں بہت اُتارے گئے ہر سبز خنداں	بہت تازہ تر صورت باغِ رضواں بہت خشک اور بے طراوت، نگہاں

ذرا ناامیدوں کی ڈھائیں بندھا تو	فسرہ دلوں کے دل آخر بڑھا تو
ترے دم سے مردوں میں جانیں ہی ہیں	جلی کھینچیاں تو نے سرسبز کی ہیں
سفینہ پئی نوح طوفاں میں تو تھی	سکون بخش یعقوب کنعاں میں تو تھی
زلیخا کی غم خوار حجاب میں تو تھی	دل آرام یوسف کی زنداں میں تو تھی
مصائب نے جب آن کر اُن کو گھیرا	سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا
بہت ڈوبتوں کو ترا یا ہی تو نے	اُگڑتوں کو اکثر بنا یا ہی تو نے
اُکھڑتے دلوں کو بچا یا ہی تو نے	اُجڑتے گھروں کو بسا یا ہی تو نے
بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہی	اندھیرے میں اکثر اُجالا کیا ہی
قوی تجھ سے ہمت ہی پر وِجواں کی	بندھی تجھ سے ڈھارس ہی خورد و کلاں کی
جُچی پر ہی بُنیا نظمِ جہاں کی	نہ ہو تو۔ تو رونق نہ ہو۔ اس دکان کی
تنگا پو ہی ہر مرحلے میں تجھی سے	روا رو ہی ہر قافلے میں تجھی سے
کسانوں سے کلر میں ہی تو بُواتی	جہازوں کو گرداب میں ہی کھواتی
سکندر کو دارا پہ ہی تو چڑھاتی	فریدوں کو خٹاک سے ہی لڑاتی

	دماغوں میں بو تیری آتی ہی جیسا کہ	
یہ سچ ہے کہ حالت ہماری نہیں ہے جہالت وہی قوم کی رہنمائی ہے	عزیزوں کی عقلیت ہی جوں کی توں ہے تعصب کی گردن پہ ملت کاغذ ہے	
	مگر ادا امید اک سہارا ہی تیرا کہ جلوہ یہ دنیا میں سہارا ہی تیرا	
	۱۵۴- قطعہ	
طبع رنگیں تھی جو عشق کی جب تہا ملی جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سرسری حالی سر ہر سودا سے تھی عشق سے دل بڑھالی گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں نکسالی لائیے باغ سے اور صل کے لگا کر ڈالی کیجیے در و جدائی کی کبھی نقالی وہ ہوا جس سے دلخ اپنا ہوا کہ خالی	ہوئی ریغان جوانی کی بہا آخر حین اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیان اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جلتی نہ ٹہنا آپ بیتی نہ ہو جو ہو وہ کہانی بے لطف ہاں مگر پیچھے کچھ عشق کا غیر وکے بیاں کھینچے صل صنم کی کبھی فرضی تصویر تا کہ بھر کا سے جوانوں کے دل آتش کی طرح	
	پر یہ ڈر ہے کہ کہیں ہو نہ ہماری وہ مثل قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند و لائی	

وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی بھول گئے  
 جس کو زخموں کے حوادث کے چھوٹے  
 ہم کو گرتے رلایا تو رلایا اسی چرخ  
 پار خود روئیں گے کیا۔ ان پہ چہاں تاج  
 آخری دور میں بھی تھکو قسم ہر ساقی  
 بخت سو ہیں بہت جاگے اور دور ماں  
 یاں سے خست ہو سویر کہیں عین نشاط  
 کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تھا راہی  
 شاعری مرچکی اب نہ ہوگی یارو  
 غالب و بیہوش و نیر و آرزو و ذوق  
 موت و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد  
 کرویا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو  
 داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر گلشن  
 رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی تیر و بزم

ایسا بدلا ہی نہ بدلے کا زمانہ ہرگز  
 نظر آتا نہیں۔ ایک ایسا گھرانہ ہرگز  
 ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسنا ہرگز  
 ان کی ہستی ہوئی مشکلوں پہ نہ جانا ہرگز  
 بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز  
 نہ ابھی فیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز  
 نہیں اس دور میں پاں تیرا ٹھکانا ہرگز  
 ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز  
 یاد کر کے اُسے جی نہ گڑھانا ہرگز  
 اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز  
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز  
 ورنہ باں کوئی نہ تھا ہم یگانہ ہرگز  
 نہ سنے گا کوئی ببل کا ترانا ہرگز  
 اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں۔ بزم سخن ہو چالی  
 یاں مناسب نہیں دیکھ کے مڑ لانا ہرگز



دولت ہو نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہو  
 ہو دین کی دولت سے یہاں علم سے رونق  
 شاہد ہو اگر دین تو علم اس کا ہو نہ پید  
 جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت  
 گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی  
 ڈر ہو کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر  
 جس قصر کا تھا سر بہ فلک گنبدِ قبل  
 بیڑا تھا نہ جو بادِ مخالف سے خبردار  
 وہ روشنی بام و درکشور اسلام  
 روشن نظر آتا نہیں ان کوئی چراغ آج  
 عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہر  
 چائوش تھے لکھارے جنہ گزیر ہیں  
 وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بہ فلک تھی  
 جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حکم کی  
 کھوج ان کے کمالات کا گستاخو اب اتنا  
 بگڑی ہو کچھ ایسی کہ بنائے نہیں نئی  
 تھی اس تو تھا خوف بھی ہمراہ چاکے

اک دین ہو باقی سو وہ بے برگ نوا ہو  
 نے دولت و علم میں رونق نہ بہا ہو  
 زیور ہو اگر علم تو مال اس کی جلا ہو  
 اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہو  
 پر نام تیری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہو  
 مدت سے اسے دورِ زمان میں با ہو  
 ادبار کی اب گونج رہی اس میں صدا ہو  
 جو چلتی ہو اپنی چلتی خلافت اس ہوا ہو  
 یاد آج تلک جس کی زمانے کو ضیا ہو  
 تجھنے کو ہو اب گر کوئی تجھنے سے بچا ہو  
 اُس قوم کا اک ایک گھرا بزمِ عزا ہو  
 دن رات بلند ان میں فیروں کی صلہ ہو  
 وہ یاد میں اسلاف کے اب بے تفا ہو  
 اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہو  
 گم دشت میں اک قافلہ بے پل دریا ہو  
 ہو اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہو  
 اب خوف ہو مدت سے لوں میں بھا ہو

<p>وہ تیری محبت تیری عزت کی لاہی  ہتھیار جو انوں کاہی پھروں کا عصاہی  وہ خاک ہمارے لیے دار و شفاہی  اب تک وہی قبلہ تیری اُمت کا رہاہی  کعبہ سے کشش اس کی ہر اک دل میں سواہی  اب تک تو ترے نام پہ اک ایک فداہی  اخباروں میں اُطالع لی ہم نے ثناہی  نسبت بہت اچھی ہی اگر حال بُراہی  ہاں ایک عاتیری کہ مقبول خداہی  پر فکر ترے دین کی عزت کی سداہی  اُمت تری ہر حال میں صنی برضاہی  اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلت میں مراہی  باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف رگلاہی</p>	<p>ایمان جسے کہتے ہیں عقیدہ میں ہمارے  ہر جنبش دہر مخالف میں ترا نام  جو خاک ترے در پہ ہو جا روئے اُٹتی  جو شہر ہو اتیری ولادت سے مشرف  جس لاکھ پائی تری ہجرت سعادت  کل دیکھیں پیش آئے غلاموں کو ترے کیا  گر بد ہیں تو حق اپنا ہو کچھ تجھ پہ زیادہ  ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر میں تھارے  تدبیر سننے کی ہمارے نہیں کوئی  خود جاہ کے طالب ہیں عزت کے ہیں  گر دین کو جو کھوں نہیں لت سے ہماری  عزت کی بہت دیکھ لیں نبیا میں بہاریں  ہاں حالی گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے</p>
--	---

ہر یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہر کون مخاطب  
یہاں جنبش لب خارج از آہنگ خطاہی

چل سوے گورِ غریباں امی حریص مال و نذر  
 دیکھ کتنی آرزوئیں تندر مدفن ہو گئیں  
 کیسی رنگارنگ شکلیں ہونگی امی جو شہر بہار  
 مٹ کے جو گلگوندِ رخسارِ گلشن ہو گئیں  
 کھل نہیں سکتی کبھی کیفیتِ بغض و حسد  
 میری آپیں پر وہ ناموس و ثمن ہو گئیں  
 میرے نعموں نے جو پانیِ قلبِ گلشن میں جگہ  
 شاخِ گل پر بلبلیں بارِ نشیمن ہو گئیں  
 جب مرے نالے ہوئے قدرِ صنوبر سے بلند  
 بلبلیں ساکت ہر دیوارِ گلشن ہو گئیں  
 جامہ ہستی ہوا صد چاک جب مثلِ سحر  
 زمینیں دنیا کی گردا گردِ دامن ہو گئیں  
 ہوئے عون و محمد سے نہ سمر ہر ذرہ پش  
 حق میں بیٹوں کے دعائیں ماں کی بوشن ہو گئیں

(۷۵) اسمعیل علیہ السلام

اسمعیل مولانا محمد اسمعیل میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ مشاعر میں پیدا ہوئے۔

	۱۵۹	
<p>پھوڑنا سر کا علاج درد سر ہوتا نہیں دل جو اس رستے میں ٹھکا کر سفر ہوتا نہیں ورنہ غم کھانے سے دنیا میں گھر ہوتا نہیں نئے سحرارت تو کبھی بختہ تر ہوتا نہیں شک اس سے یاں اعتبار نامہ پڑتا نہیں نئے پسے سرمہ بھی منظور نظر ہوتا نہیں</p>		<p>مانے سر گشت تکی وہ سنگ در ہوتا نہیں حیف دنیا! اسے عقی بنزل لبر ہوتا دور یاد اور امید کی دولت کسے کھاتے ہیں دعوت الفت ہی کچا چونہ بول میں پیش خوف جاس نامہ بر جاک ہی ہانی کیوں بھر صدیہ دل کو برفت اتقان عشق ہی</p>
	<p>ہو شعور ماسوا بھی اک حجاب آگئی نے خبر حجب تک نہ ہوئے باخبر ہوتا نہیں</p>	
	<p>(۱۶۰) اچھے دنوں کی یاد</p>	
<p>راتیں تھیں مراد دعا دن معلوم نہ تھا کدھر گیا دن ہوتا کوئی اور بھی سوا دن</p>		<p>ایام وصال بھی تھے کیا دن محسوس نہ تھا کہاں کئی رات کیا جلد گزر گئے وہ دن حیف!</p>

## حصہ دوم

## شعراے حال کے کلام کا انتخاب

اس حصہ میں ان شعرا کو لیا گیا ہے جو بہت کم ترنیب مذکورہ یعنی جولائی ۱۹۷۱ء تک زندہ تھے ان کو بہ لحاظ تاریخ ولادت و وفات لیا گیا ہے۔ لیکن نمبر سلسلہ دونوں حصوں کا ایک ہی رکھا گیا ہے۔

## ۶، اکبر سلسلہ ۶

اکبر خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب رضوی۔ دور موجودہ کے مشہور شاعر ہیں۔ ۱۶ نومبر ۱۹۰۷ء میں لاہور کو والدین پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ رضاؑ تک پہنچتا ہے۔ شاعری کے پردہ میں دستی اخلاق خاص ان کا حصہ ہے۔ کلام میں جدت بیشتر ہے۔ لیکن ظرافت کو صحت زبان پر مقدم رکھتے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان ان کے کلام سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ انگریزی الفاظ اردو میں کھپانے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ جدید محاورات جو انگریزی اختلاط سے اردو میں پیدا ہوتے جاتے ہیں ان کے یہاں اشعار میں

ہماری اصطلاحوں سے زبان نا آشنا ہوگی بدل جائیگا معیارِ شرافت چشم و دنیا میں گزشتہ غلطیوں کے تذکرے بھی بھول جائیگی کسی کو اس تغیر کا نہ جس ہوگا، نہ غم ہوگا	لغات مغربی بازار کی بھاکا سے صدم ہونگے زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب کم ہونگے کتابوں ہی میں دفن افسانہ جاہ و حشم ہونگے ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیرِ ہونگے
--	---

تہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم جو اے اکبر بہت نزدیک ہو وہ دن تلخ ہونگے نہ ہم ہونگے	
(۲) شاد	

سید علی محمد نام ہی ساداتِ عظام سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۲ واسطوں سے حضرت سیدنا امام دین العابدین سے ملتا ہے۔ سید حسین فیروزی بادشاہ عراق و فارس جن کا ذکر خواجہ حافظ شیرازی نے اپنے اس شعر میں کیا ہے آپ کے اجداد ہیں تھے ۵

راستی خاتمِ فیروزہ بر اسحاق خوش و زشتید و لے دولت بعل بڑ  
۱۹ مرحوم سلسلہ مطابق جوڑی سلسلہ کو عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے فارسی  
عربی میں کامل استعداد ہی بیکل (عروض ہندی) سے بھی واقفیت ہے۔ اپنے  
تصنیف کردہ اشعار کی تعداد مولانا نے خود ایک لاکھ سے چند ہزار زائد لکھی ہے۔  
آپ کی تصانیف میں تاریخِ صوبہ بہار، "مردم دیدہ" وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے

<p>ہو بھی تو خاتمہ کہیں اس گلہ دراز کا تم نہ پیو جو تو خیر حکم تو دو جو از کا مشاوت پنا نہ آہ قافلہ حجاز کا</p>	<p>قصہ ہجر تا کجا تھک بھی گئے مری زباں پیر مغال کے بھرے دیکھ چکے ہو غلو خاک بہت ہی چھان کر دشتِ بل ہے ہم پیر</p>
<p>۱۶۳</p> <p>کیوں اسے نسیم تیرا کیجھ نہ مل گیا دل کیا بدل گیا کہ زمانہ بدل گیا اب کے پیام وصل کا جا دو نہ چل گیا</p>	<p>آئی خزاں بہار کا موسم نکل گیا اس باغ میں بہارِ خزاں کچھ نئی نہیں قاصدِ مرہٹن عشقِ سدھارا جہان سے</p>
<p>۱۶۴</p> <p>نہ کوئی رہا ہی نہ کوئی رہے گا مراد دل بھی دل ہی کچھ آخر کہے گا زمانہ مگر آپ کو کیا کہے گا</p>	<p>سہی کس نے ہی کون تیری ہے گا ترا نام کیوں غیر لے میرے آگے زمانے سے ہم تو گزر جائیگے خود</p>
<p>یہ دنیا ہی اسے شاد و ناحق نہ اچھو ہر اک کچھ تو اپنی سی آخر کہے گا</p>	
<p>۱۶۵</p>	
<p>غفلت میں ہوئے اوقات بسرے عمر گزراں کچھ نہ کیا کی فکر وصال یا رہبت لیکن سروسا ماں کچھ نہ کیا جنش سے تری مقتل ہوتا رک آن میں دشتِ کرب و بلا</p>	

یہی وفا تھی یہی مروت کہ پھر کے شامت زدہ نہ آیا

## ۴۸ اثر ۱۹۵۷ء

اثر۔ شمس العلماء جناب مولوی نواب سید امداد امام صاحب بہادر  
ریس اعظم پٹنہ۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۵۷ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ خاندان  
سادات کرام سے ہیں۔ علوم مشرقی و مغربی میں کامل و متکامل رکھتے ہیں  
بالخصوص فن طبابت میں بہت زیادہ توفیق ہے۔ ۵۴ برس سے خلق خدا کی  
طبی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کی شاعری کا خاص رنگ ہے۔ فطرتی جذبات  
محققانہ مسائل عاشقانہ واردات کو تغزل کے رنگ میں نبھانا آپ ہی کا حصہ  
ہو اس کے ساتھ ہی بلند پروازی کو جو غزل سرائی کی جان ہے ہاتھ سے نہیں  
جانے دیتے۔ آپ کا دیوان چھپ چکا ہے۔ شاعری کے فن میں آپ نے  
ایک کتاب کاشت اٹھائی رکھی ہے۔ جس میں مشہور شعرائے اردو کے کلام پر  
تنقید کی گئی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

## ۱۶۷ غزل

یہی نہیں ہے کہ دل کی دھڑکن رہی جب تک کہ جاں رہی  
یقین ہے اس کا کہ بعد مردن لحد بھی اپنی تپاں رہے گی  
بہارِ عیش و نشاط کیسی اشگفتہ کیوں ہوں گلِ منتشا



فروغ جلوہ گل عارضی ہی عبث کرتی ہے بلبل ماتم گل	تماشا ئے ہمارے بقا کیا غم بربادی اہل فنا کیا
اتر موہوم ہے مضمون ہستی نہیں معلوم ہے کیا اور تھا کیا	
۱۶۹	

جھائیں ہوتی ہیں گھٹنا ہو دم ایسا بھی ہوتا ہے  
مگر مجھ پر جو ہے تیرا ستم ایسا بھی ہوتا ہے  
عدو کے آتے ہی رونق سدھاری تیری شکل کی  
معاؤ اللہ انساں کا قدم ایسا بھی ہوتا ہے  
رکاوٹ ہے غلط ہے چھپڑ ہے ایند اپہ ایند ہے  
ستم اہل وفا پر دم بہ دم ایسا بھی ہوتا ہے  
حسینوں کی جھائیں بھی تلون سے نہیں خالی  
ستم کے بعد کرتے ہیں کرم ایسا بھی ہوتا ہے  
نکر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا  
محبت میں تیرے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے  
نہو درد و جدائی سے جو واقف اس کو کیا کہتے  
ہمیں وہ دیکھ کر کہتے ہیں غم ایسا بھی ہوتا ہے

<p>سحر ہوتے ہوتے رہا کچھ نہیں چمن کی وہ اگلی ہوا کچھ نہیں مگر تجھ کو زاہد جیسا کچھ نہیں کہ نزدیک جن کے خدا کچھ نہیں جناہی جناہی و نا کچھ نہیں</p>	<p>شب بھر ہوتا چلا میں فنا نگل پر ہی جو بن نہ بنل کو جوش عبادت خدا کی بہ اُمید و ر خدا ان سے بندوں کو اپنے بچائے عسیدوں کے انداز مت پوچھیے</p>
<p>بتوں کی پرستش کہاں تک اثر مگر تجھ کو خوف خدا کچھ نہیں</p>	
<p>آپ کو دیکھتے ہیں آپ تماشا ہو کر تیرے کوچہ میں رہے نقش کت پا ہو کر قیس صحر اگو گیا کوچہ سیلی ہو کر میں نہ بچاؤں تجھے تیرا شناسا ہو کر رہنا شوق ہوا جاوہ صحر ا ہو کر میں ترا ہو کے ہوں نور ہے میرا ہو کر دزدہ ذرہ ارنی آتا ہی موسیٰ ہو کر جلوہ فرمایاں کیں آپ نے کیا کیا ہو کر نہ بد رفتار تھے کل رہنا ہی تنہا ہو کر</p>	<p>اپنی نظروں میں کچھ خود مریخ زیبا ہو کر دیکھتا بہت قدمی اہل وفا کی اپنے اپنے مطلب کا ہو کر تباہی دیوانہ بھی کیا ترسا تھ ازل میں نہ ہوا تھا مجھ کو دشت میں ڈھونڈتے جب قہر کی لیلیٰ کی ایک جا نے محبت نہیں پاتی انجام طور ہی طور ہی صحر اے طلب میں اپنے خضر موسیٰ کی حکایت سے حیاں تباہی آج کیوں صحبت احباب پہ مریخ اثر</p>

جینے سے زیادہ قدر مرنیکی کرو	جینا ہی تمام عمر مرنا اک روز
۱۷۵	
گوہر کو کرے حج یہ جوہر ہی تو کیا جب جو نہیں، اکرم نہیں، فیض نہیں	جب نفس غنی نہیں۔ تو گمراہی تو کیا مٹھی میں جو غنچے کی طرح زہری تو کیا
۱۷۶ غزل	
دل کو حسرت آئی تھی کوئی تھی تقدیر پر دانہ دانہ کر کے جب تمنا کی تھی رزق دل کے پہرے میں صورت ہو کہ چھوٹی تھی روتے روتے بندھ گئی ہجلی دم عرض نہال جب کوئی آئی مصیبت آئی دل کو ناکستی کل ہم آئے آج رخصت صبر بک کر	جنش ترگاں سے چل کر تیر پیچھے تیر پر نام دیوانوں کا لکھا دانہ زنجیر پر ایک آئینہ لگا ہی صاف اس تصویر پر اور پھندا پر لگا لکھی ہوئی تفسیر پر جب کبھی ٹوٹی طربانی ٹوٹی اس تمہیر پر بھر کی فحیل پر یا موت کی تاخیر پر
ہند سے حافظ دوبارہ چل کے آیا ہے حضور اک نظر ہو اس گداے بے نوا سے سپر پر	
<p style="text-align: center;">— ❖ ❖ ❖ —</p>	

کعبہ کو جانہ شوقی ابھی نیت زندگی بخیر ہم بھی چلیں گے تیرے ساتھ اس کے ہوا چکر
---

۱۰ فشتی ۱۸۵۴ء
---------------

شیخ امیر علی ولد شیخ محمد حسین وطن قدیم اکبر پور ضلع فیض آباد - مولد و مسکن  
لکھنؤ مفتی گنج - پیدائش ۱۵ صفر ۱۲۷۵ھ لکھنؤ علی گڑھ نامی نام ہی - فشتی تخلص ہے -  
فارسی و عربی میں اچھی دستگاہ ہے - لکھنؤ کے مشہور شعرا کی صحبتیں  
دیکھی ہیں کسی سے تلمذ نہیں ہے - فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں - کبھی کلام کے جمع کرنے  
کی طرف توجہ نہیں فرمائی - عرصہ ہوا آپ کا ایک قصیدہ موسومہ نیزنگ روزگار  
جس میں زمانے کا نقشہ کھینچا گیا ہے احباب کے اصرار سے چھپا تھا - ۲۶ برس سے  
نزدک وطن کرو یا ہے - سالہا سال تک پڑی رہے آج کل حیدر آباد مقام ہے - کلام کا  
نمونہ یہ ہے :-

۱۴۸ غزل
---------

ذرا انصاف سے کہیے کہ ہمت کس کی نکلی او بلنے کی جگہ طوفانِ عہدِ نوح کے آخر حسابِ تم کیا سب اپنا اپنا پاک یاروں نے	جہادوں کے مقابل میں وفاتہا اگر نکلی تنویرِ بیوہ کے پردہ میں میری چشمِ نکلی یہ دیکھو جوئی قیمت کہ باقی میرے سر نکلی
--	--

کے گئے تھے سلسلہ عین و احد علی شاہ کا انتقال ہوا بنے پر حیدر آباد دکن چلے آئے۔ یہاں مختلف عہدوں پر مبتلا رہے۔ نظام کالج کے سربراہی پر فیسر رہے ہیں۔ حیدر جنگ کا خطاب پایا ہے۔ آپ نے دیوان غالب اردو کی ایک مبسوط شرح لکھی ہے۔ جس میں شاعرانہ نکات اور فن سخن کے متعلق قابل قدر معلومات کر جمع کیا ہے۔ غزلیات کے علاوہ حالیہ نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ دیوان کا انتخاب مولانا حسرت موہانی نے اپنے اردوئے معلیٰ پریس علی گڑھ سے شائع کیا ہے۔ ۱۶ محرم ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۰ء تاریخ پیدائش ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

### ۱۱۔ اوجوش گل

<p>یہ عالم ہے جیسے رنگ تصویروں میں ہیں نفس دزدیدہ باد صبح کے جھونکے کرتے ہیں ہوا سے اڑ کے برگ گل جو سبز پھر تپیں ہیا گئے جس کی زخم لالے کے بھرتے ہیں کہ خوش جانے ہی طاق سے شیشے اترتے ہیں پونہی اک جام فی کر رنگ تیرے کھرتے ہیں پونہی مغل میں نہیں تیرے ہیں پائے جو بھرتے ہیں گلوں کی آسنہ داری ہر طاؤس کرتے ہیں زر و پوسن آب ہو جا تا ہے ٹپٹپ کرتے ہیں</p>	<p>وہ موسم ہے کہ تو بان چن بنتے سنورتے ہیں ہو خوابیدہ جو سبز آسنہ خانے میں شہم کے پر طوطی پہ ہوتا ہے دم طاؤس کا دھوکا ملا ہے ہنرہ زنجیر کو کیا رنگ زنگاری تنگو نہ زیر ہو کر ڈالیاں مدہوش کرتی ہیں نیراکت، اداسے، جھوٹے ہر شبح گل بشاشت کہہ ہی ہے چہرہ گل کی ادھر دیکھو چمن کی بڑھ کے شاخیں ابر سے کرتی ہیں گل بازی گما ہوتا ہے کی لشکر کشی باد بہاری نے</p>
---	---

دل کے دہانے ہمیں صدمہ اُسے ڈرایا اُسے بھایا  
 کبھی زنِ پیر زال بن کر۔ کبھی بتِ شیخ و تنگ ہو کر  
 اُسے تھے ملواری پہنچ کر تم تو پھر تامل نہ چاہیے تھا  
 کہ رہ گئی میرے دل کی حسرت شہدِ تیغ و زنگ ہو کر

جو ولے تھے وہ دب گئے سب جو دم لیتا مل ہی حیدر  
 جو وصلے تھے وہ دل ہی دل میں ہے دریغ و دنگ ہو کر

## ۱۸۳ گلاب کا پھول

### قطعہ

<p>اک گلِ فرازِ شیخ چین آسکار ہی          کس نازنین کا تو چراغِ مزار ہی          شاید کسی کی خاک پہ تو سو گوار ہی          اپنی ہی زیست کا نہیں کچھ اعتبار ہی          کہنے لگا کہ جیشمِ زون کی بہار ہی          بولا اہلِ اہل کی جہاں میں پکار ہی          بولا جگر میں زخم ہی پہلو میں خار ہی          کہنے لگا کہ تیغِ قضا سے فگار ہی</p>	<p>گلِ کشتِ باغ میں نظر آیا یہ صبحِ دم          پوچھا یہ میں نے دیکھ کے اس کا فریغِ جن          معلوم ہو رہا ہی گریباں کے چاکِ تو          کہنے لگا کرے کوئی ماتم کسی کا گیب          میں نے کہا ہمیشہ ہے یہ ترا شبا          پوچھا یہ میں نے کان میں آتی ہی کی صدا          پوچھا بزمِ شعلہ تو لرزاں ہی کس پیے          میں نے کہا کہ زخمِ جگر کا ہی کیا سبب</p>
--	---

<p>تیرنگاہ دل سے جگر تک گزر گیا          اے بُتِ خدا سے انگوٹھ میں کیونکر دھکا دے گا          شاید عرقِ فشاں دمِ وفا ہو وہ شوخ          پہنچا دیا گلی میں تری جوشِ اشک نے          کیا سبز ابرِ اشک سے ہو کشتِ آرزو</p>	<p>آنکھوں نے اُن کی یہ بھی نہ جانا کہ کیا ہوا          پتھر کے نیچے ہاتھ ہی میرا دبا ہوا          فتنے کے عطر سے ہی زمانہ دبسا ہوا          طوفانِ بہرِ کشتی دلِ نا خدا ہوا          جب آج تک نہ سمجھتا تھا کہ ہوا ہوا</p>
---	--

تقصید اس غزل میں ہوئی کیونکہ اسے شیر  
 دل زلف کی گرہ میں ہو شاید پھنسا ہوا

۱۸۵

شبِ بلا داغِ آتشیں سے بھی تیرگی میں کمی نہیں ہو  
 یہ کیسا اندھیرا ہو مرے گھر کہ چاند ہی چاندنی نہیں ہو  
 خجلے معشوق کا گلہ کیا کہ امتحانِ وفا ہو اس میں  
 جو ہو محبت کی آزمائش۔ وہ داخلِ دشمنی نہیں ہو  
 جو دار و منہ پر کا ہنا نہ سنا تو جی کا نپ کا نپ اٹھا  
 کہ دل گانا ہو جان جو گھوں یہ کچھ ہنسی دلی نہیں ہو  
 نہ جس سے کچھ چہرہ کو نفعِ راحت۔ نہ غیر کی جان کا ضرر کچھ  
 وہ دوستی دوستی نہیں ہو۔ وہ دشمنی دشمنی نہیں ہو

شائع ہو کر مطبع خلافت ہو چکا ہے۔ عاشقانہ دیوان اردو۔ و فارسی بھی زیر طبع ہے۔  
کلام میں سلاست کا حصہ بہت زیادہ ہے جو آپ کی روانی طبع کا شاہد عادل ہے  
نمونہ کلام یہ ہے۔

### ۱۸۶ غزل

بادِ خم خانہ توحید کا موش ہوں  
گرد پھرنے دے مجھے ساتی یہ میرا فرض ہے  
طرزِ خاموشی مری تہلانی ہے اس راز کو  
درد مندِ عشق ہو کر ضبط کا خوگر ہوں میں  
چہر ہوں مٹی میں ایسا بیخود و مہو ہوں  
مثل ساغرِ دو دہیں ہوں دُھ سرچش ہوں  
ہوں بوا سچ حقیقت لاکھ میں خاموش ہوں  
صورتِ سیما ہوں ہو کر پیکرِ خاموش ہوں

کس کی فرقت چل کس کا ادھر ہر مشوقِ کون  
مشاد میں اس عالمِ نکو میں کا ہم آخوش ہوں

۱۸۷

اگر ظاہر نہ ہر صورت میں صورتِ آفرین ہوتا  
نہاے چل کا بے شک یقین ہوتا یقین ہوتا  
کسی کا ہو کے رہنا۔ یا کسی کو اپنا کر رکھنا  
پلٹ کر دیکھ لیتا جاتے جلتے گمراہِ قاتل  
تپنا اُس کا کہیں ملنا؟ نشانِ کس کا کہیں ہوتا؟  
کسی تدبیر سے بھی جو گرِ خطِ حبس ہوتا  
وہ تم سے ہونہیں سکتا کہیہ مجھ سے نہیں ہوتا  
مجھے تجھ سے بھی سکو ملے گا وہ واپس ہوتا  
تو دل کے پار ہوتا۔ گرنہ ہوتا دل نشیں ہوتا  
قیامت تھی قیامت کا تماشا پھر دہتا  
چودہ بے پردہ ہو جاتا کلیم اللہ کی خاطر  
کھلتا ناوکِ اندازِ گریختی نظر سے بھی



صحیح جذبات کی تفسیر میں کھینچی گئی ہیں مسئلہ یہ ہے میں نول کشتور پر پس میں طبع ہونی ہے  
جس کا انتخاب ذیل میں دیا گیا ہے غزل کا نمونہ یہ ہے۔

## غزل

نہ رہا حجاب تیار بھی جو نگاہ اہل نیاز میں  
وہی میں جو خیال ہے یہ مری حقیقت حال تو  
نہ ہوا ہنسی آنکھ جو حسن میں تو جہاں میں کہ نہیں  
یہ عجیب پردہ حال ہے کہ نقاب حجاب تو  
یہ جہان میں ہو آئینہ ہو تصویر ہمہ دہا  
ہمہ تن تصویر دیدہ جوں طرب آشنائی تو دیدہ  
مے جرم کیا کہن کیا تری شان لعل میں فنا  
جو اسیر نیرنگ ہو وہی قید غم سے رہا ہوئے  
تو چرخ دیر درم ہے تجھ کیا پری ہو تو سنے  
پس مرگ داؤد و فانی میرا دوست دعا علی  
نہ عروج کچھ نہ نزول جو خیال وہم فصول ہے  
تری گل کھینکے رکھ دیا جو قلم قضا نے سبب تھا  
یہ نوا جو شعلہ فروز ہے یہ دھنیکر عمامہ نیل

تو رہا نہ ترے سو کوئی پس پردہ حسن مجاہد میں  
کہ شرب ہوں مہم کو کشتی تو نماز ہوں میں نماز میں  
جو وہ غزنوی کی نگاہ ہو وہی خم نہیں لیا از میں  
جو نہاں بھی ہو کے عیاں ہے تو وہ راہ ہو کوئی تاز میں  
وہی جلوہ آئینہ ساز کا ہے نگاہ آئینہ ساز میں  
کہ تری کشتی میں خمشیاں گل کے پردہ راز میں  
کہ جلال میں بھی کی نہیں ہے عفو بندہ نواز میں  
وہ چھپے ہے جو چھپے تھے تے دام لعل راز میں  
کہ تمام رات بسر ہوئی کسی کی سو وگداز میں  
کہ تری وفائے اٹھا پیر ہے بھول امن راز میں  
جو بلندیاں میں نشیب میں بختیاں میں راز میں  
کوئی نقش حرف میں رہا سر کلک نقش طراز میں  
مے سوز میں تری آگ تے آگ رہا مے نہاں

دنیا سے اٹھ گیا میں فقط اس خیال سے	ایسا نہ ہو کہ آپ کی خاطر پر بار ہوں
جو مردہ آرزو کہ وہ میری ہی دل میں ہو	دنیا کی حسرتوں کا میں گویا مزار ہوں
اس آب و تاب پر بھی کہیتی ہو کہ کشاں	اترا ہوا کسی کے گلے کا میں ہار ہوں
خود اپنے دل کی آلت جلتا ہوں اٹن	رونق ہوں باغ و بہر کی لیکن چنار ہوں
ساتی وہ آفتاب چھپا وہ اداں ہوئی	دے جلد بھر کے جام کہیں روزہ دار ہوں

زخمی تڑپ رہا ہوں مگر آہ بے نظیر	یہ بھی خبر نہیں کہ میں کس کا شکار ہوں
---------------------------------	---------------------------------------

۱۹۰

نہ رہے اکیلے جنوں میں بھی یہ تلاشِ مہسفری رہی  
 خرو و خو اس جو چل بسے تو جلو میں بے خبری رہی  
 ہوئے ششک پھول چمن جلا کہیں نام کو نہ تری رہی  
 یہی اپنے زخم ہر کے رہے ہی اپنی آنکھ بہری رہی  
 وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مرد نے گل گئے  
 یہ مری جبین نیاز مٹی کہ جہاں دھری کی دھری رہی  
 بڑی احتیاط طلب ہو یہ جو شراب ساغز دل میں ہو  
 جو چھلک لگی تو چھلک لگی جو بھری رہی تو بھری رہی

مجھ پر ہاں وضع ضرور تھا یہ کمال عقل و شعور تھا  
مری پردہ پوشی کہنوں - مری مشق پردہ دہری رہی  
تری خاک در مجھے مل گئی تو ہوس نہ دل میں ہی کوئی  
نہ وہ کیمیا کی طلب رہی نہ طلب کی دہر دہری رہی

وہ ہزار در پہ لیں رہا وہ ہزار پردہ نشین رہا  
وہی بے نظیر حریف رہا وہی اس کی جلوہ گری ہی

۱۹۱

اس جگہ آکر گرے ہم ٹھوکر میں کھاتے ہوئے  
اتنی ریت تیروں میں رہا پابند وضع  
دیکھنا اُس سے نہ کہہ سکے کوئی میرے کی بات  
کچھ نہ لایا ساتھ کوئی - کچھ نہ کوئی لے گیا  
تیرے جنوں اب چہن کی سیر کے بھوکے نہیں  
ہم نہ سمجھتے تھے کہ بن جائے گی تیری جان پر  
منہ بچاؤ کی قدر دانی دیکھ ادا رہا  
کر لیے پہلے تو ہر حلقے میں لاکھوں لاکھوں  
اس لیے وہ پوچھتے ہیں ظلم اپنے بار بار  
معدرت اپنی نہیں تھی ہر کمال کی امید

وہ نکل جاتے ہیں اکثر سر کو بھکاتے ہوئے  
شرم آتی ہے مجھ اب ہوش میں آتے ہوئے  
یہ بھی کہہ دیتے ہیں مجھ کو یاد فرماتے ہوئے  
دیکھ ڈالے سیکڑوں آتے ہوئے جاتے ہوئے  
مدتیں گزریں بیابان کی ہوا کھلتے ہوئے  
خیر اتنا تو کما ظالم نے شرماتے ہوئے  
لے چلے میرا خزانہ پھول برکتے ہوئے  
اب اُگھٹتے ہیں وہ کیوں انوکھے ہوئے  
ریج ہوتا ہے مجھے یہ قصہ دہراتے ہوئے  
دیر لگتی ہے وہاں کیا رحم فرماتے ہوئے

<p>مرے ساتھ کچھ دن اگر رہ گئی پہنچ کر قریب اثر رہ گئی نظر تو ترے بام پر رہ گئی وہ کم نجت بھی جا کے گھر رہ گئی گلوں تک اسیرم حسد رہ گئی محبت بس اب اس قدر رہ گئی کہ جھک کر فلک کی کمر رہ گئی یہ بات اور ای نامہ پر رہ گئی وہ قسمت سے میرے ہی سر رہ گئی ہمہ منزل بہت مختصر رہ گئی مسافر سدھارے خبر رہ گئی گئی کس قدر کس قدر رہ گئی بس اب اک تری رہ گزر رہ گئی انہیں ہوئے ہوئے خبر رہ گئی</p>	<p>مصیبت کو بھی داخل جائے گی کہاں چلے ٹھنڈی ہوئی آہ گرم خدا جلنے آنکھوں میں اب کیا رہا پھر آئی نہ غربت میں یا دردِ وطن تری شام گیسو کی خوشبو کہاں عنیت ہی جس کو عداوت نہ ہو بہہ کیا کم سزا سر بند ہی کی ہو چلا جب یہ کہہ کر پکارا اُسے بلا ہی بلا تھی محبت تری کوئی دم میں ہی ختم طولِ حیات یہ کہتی ہو ہر دوستانِ کمن کہاں عشق میں عقل کی یہ خبر اُسٹے ہو کسے مایوس ہر در سے ہم بڑی خیر گزری کہ اسے ضبطِ آہ</p>
--	---

نہ توڑ انہیں غیر سے بے نظیر  
محبت میں اتنی کسر رہ گئی

نظر آتی ہو اور ہر کچھ فضا	یکایک رکی بوند ٹھہری ہو ا
۹۴ صبح کے وقت طلوع آفتاب کا منظر	
<p>شعاعیں چمکتی ہیں اشجار پر          ہوا بھی دڑا گرم ہوئے لگی          ہرن کھل کے جھل میں چرنے لگے          گرے مرغ آبی وقت تالا پر          وہ چن چن کے واسی اٹھانے لگیں          ہوئے لوگ مصروف کار جہاں          رطوبت لگی اڑنے بن کر بجا ر          کہ ٹیلوں کی ہر اوٹ میں آفتاب          وہ کلسوں پہ سونا چڑھانے لگی          اتر کر وہ در پر چمکنے لگی</p>	<p>ہر کچھ دھوپ کا عکس کسا ر پر          تری اوس کی دھوپ کھونے لگی          پرندے زمیں پہ اترنے لگے          اڑے کھول کر قاز و سرخاب پر          وہ کھیتوں میں چڑیاں بھی آئے لگیں          ہوا پھر وہی کار و بار جہاں          ہوا میں ابھی تک نہیں کچھ غبار          مگر شہر میں یہ نہیں آب و تاب          بلندی پہ کچھ دھوپ آنے لگی          منڈیروں پہ کچھ کچھ جھلکنے لگی</p>
۸۶ ریاض ۱۸۶۳ء	
ریاض۔ فشتی ریاض احمد خلف سید طہیل احمد خیر آبادی سابق ایڈیٹر ریاض الانشا	

# ۸۶ مضطر ۶۱۸۶

مضطر سید افتخار حسین ولد مولانا سید حافظ احمد حسین رهنوی صاحب  
مطابق مشہور ہوئے۔ آپ شمس العلماء مولانا محمد عبدالرحیم صاحب منطقی کے  
حقیقی بھائی ہیں۔ عربی سفارسی کی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی جو اپنے زمانے  
کی لائق ادیبہ تھیں۔ فن شعر میں حضرت امیر مینائی سے تلمذ فرمائی۔ طبیعت حاضر بائی تھی۔  
بہت زود گو ہیں۔ نواب صاحب ٹونک کے استناد ہیں۔ افتخار الشعرا کا خطاب  
حاصل ہے۔ اب ریاست گوالیار میں ملازم ہیں۔ ایک دیوان "نذر خدا" بتولجید  
میں ہو چکا ہے۔ نوہ کلام یہ ہے۔

۱۹۶ غزل

تج یہ ہے کہ میں کون متاع دل و دین کا  
پھانا ہو جگر میری دعاؤں نے فلک کا  
دن رات تنہا ہیں کچھ کچھ کسی کی  
وہ وصل کی خواہش پہ پیہم دیکھ کے بولے

وہ آپ ہی مالک ہیں سب کچھ کو  
پسیا ہو گئے جاہلے نالوں نے زمین کا  
دن رات تصور میں کچھ کچھ کہیں کا  
لکھا تو مٹا ڈال خطِ لوحِ جہیں کا

کھو یا مرے جیتے کافر ہوئے مضطر  
اللہ کرے صبرِ پڑے جانِ حریف کا

دل اودھ نہایت ہوا ہوش اس طرف چلتے ہوئے میں کہاں الٹے کہاں پیسہ کرشمے دل کے لکڑ مرحباے ساتی جادو نظر صدمہ حبا میں کیا کیا جانتا تھا تیری پتھر شوق کو	کس کی آنکھوں نے یہ درد پر وہ اشاد کر دیا نہ نہ چوشت یا ہوا مجھ کو بھی شہید کر دیا مست آنکھوں نے مرالشتہ دو بال کر دیا فتنے بریا کرتے کرتے ہنسر بریا کر دیا
--	---

دل تڑپتا ہو تو کچھ تسکین ہوتی ہے جلیل  
جی پہلنے کو خدا نے درد پیدا کر دیا

۱۹۸

درد دل لاکھ کھواں پہ انر کچھ بھی نہیں دیکھنے کو تو سبھی رکھتے ہیں آنکھیں لیکن کیا محبت یہ تو ہیں درد میں ہوا کرتی ہو شمع اس فکر سے محفل میں گھٹی جاتی ہو ہو چکی دیدہ گریاں کی گہ افشانی آچکی ہو شب و فرتیں قیامت سوار باس ہوتی ترے ملنے سے تو بہتر ہوتا	دل میں تہتے ہیں گردل کی خبر کچھ بھی نہیں تو نظر کے نہ جس کو وہ نظر کچھ بھی نہیں اس طرف جان پہ آفتاب کو ادھر کچھ بھی نہیں راست بھر کا ہوا سماں وقت بھر کچھ بھی نہیں اب تو وہاں میں بخرخت جگر کچھ بھی نہیں اور ابھی خیر سے آثار سحر کچھ بھی نہیں غل امید سے امید شمر کچھ بھی نہیں
---	---

کو سے جاناں میں یہ جانے کا نتیجہ ہے جلیل  
کھو گئے ہوش کچھ ایسے کہ خبر کچھ بھی نہیں

اے ارض پاک تیری جہت پر کٹھنم	ہی خوں تری رگوں میں آنکسے رواں ہمارا
مغرب کی وادیاں میں گونجی نواں ملہی	نغمۂ تانہ تھا کسی سے یل رواں ہمارا
اے موجِ دلہ تو بھی پہننتی ہی ہم کو	اب تک ہی تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
اے گلستانِ اندلس وہ دلچیں یادِ تجھ کو	تھا تیری ڈالیوں میں جب آسماں ہمارا
سلاکارِ کاررواں ہی میر حجاز اپنا	اس نام سے ہی نامی آرام جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہی گو یا  
ہوٹا ہی جادہ پیسا پھر کاررواں ہمارا

۳۰۰

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا  
ہم ٹیلیں ہیں اس کی۔ یہ گلستاں ہمارا  
غربت میں ہم اگر مہوں رہتا ہی دلِ وطن میں  
سمجھو وہیں ہیں بھی دل ہو جہاں ہمارا  
پرہیز وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا  
وہ نغمہ تری ہمارا وہ پاسِ سہاں ہمارا  
مذہب نہیں سکھاتا۔ آپس میں میر رکھنا  
ہندی ہیں ہم وطن ہی ہندوستان ہمارا



زمانہ آیا ہی بے حجابی کا وصل دیدار پار ہوگا  
 سکونت تھا پردہ داہن کا وہ راز اب سکار ہوگا  
 نہیں رہا اب وہ دور ساقی کہ چھپکے پتہ پتہ والے  
 جہان سار بنے گلے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا  
 سفینہ ہر گیل نبالے گا۔ کارواں موزنا توں کا  
 ہزار موجوں کی ہو کنا کش مگر یہ دریائے پار ہوگا  
 کبھی جوارہ جڑوں تھے۔ وستیوں میں پھر بسیں گے  
 برہنہ پائی وہیں رہے گی مگر نیا خارزار ہوگا  
 چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا داغ اپنا کلی کلی کو  
 وہ یہ سمجھتا اس دکھاوے مل جلوں میں شکار ہوگا

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہو اس کی  
 کہیں سر رہ گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہوگا

۲۰۲

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا  
 میں ہلاک جادوئے ساحری۔ تو قیل شنوہ آدمی  
 میں تو اے سوختہ درگاہ۔ تو پردہ رنگ ارمیدہ بو

ہی بجا شیوہ تسلیم میں تھو میں ہم	قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے محو ہیں ہم	نالہ آتا ہو اگر لب پہ تو محذور ہیں ہم
اے خدا شکوہ ارباب وفا بھی سونچ	خوگر جیسے تھوڑا سا گلا بھی سونچے
مٹی نہ موجود ازل سے ہی تری ات قیام	پھول تھار بچپن پر نہ پریشیاں بھی ہم
شرطِ انصاف ہوئے حسابِ الطافِ غیر	بے گل بھیلی کس طرح جو ہوتی نہ نیم
ہم کو محبتِ خاطر یہ پریشانی تھی	دور نہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی
ہم سے کھلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر	کہیں سجدے تھے پتھر کہیں موجود خبر
خوگر پیکرِ محسوس تھی انسان کی نظر	مانٹا پھر کوئی آن دیکھے خدا کو کیونکر
مجھ کو معلوم ہو لیتا تھا کوئی نام ترا	قوت بازوئے مسلم نے کیا کام ترا
بس بے تھے ہیں سلجوتی بھی تو زنی کا	اہل چین چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی جمورے میں باد تھے پونانی بھی	اسی دنیا میں ہو دی بھی تھے نصرانی بھی
پر نرے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے	بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے
تھے ہیں ایک تکر معرکہ آراؤں میں	تھکیوں میں کبھی رتے کبھی دریاؤں میں

کس کی ہدایت صدمہ سے ہونے لگتی ہے منہ کے بل گر کے ہوا خدا احد کہتے تھے	
اگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و یار	قبلہ رو ہو کے زمین بوس تھی تو مہجرا نہ کوئی بندہ رہا اس نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہے تیری سرکار میں پہنچنے تو سبھی ایک ہے	
مخل کون و مکاں میں سحر و شام پھر کوہ میں و دشت میں لیکر ترا پیغام پھر	فی توحید کو لے کر صفتِ جام پھر اور معلوم ہو چکے کو کبھی ناکام پھر
دشت و دشت میں دریا بھی نہ چھو سکے بہر ظلمات میں دڑا دیے گھوڑے ہم نے	
صفحہ دہرے باطل کو مٹایا ہم نے تیرے کچے کو چینیوں سے بسایا ہم نے	نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہو کہ وفادار نہیں اہم وفادار نہیں، تو بھی تو دل دار نہیں	
عجز و اے بھی ہیں ست و پندار بھی ہیں سیکڑوں میں کہ ترے نام سے نیر بھی ہیں	امین اور بھی ہیں، اُن میں گنہگار بھی ہیں اُن میں کابل بھی ہیں، فاق بھی ہیں، شیار بھی ہیں
ایمین ہیں تیری انیہار کے کاشانوں پر	

تیری نعل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے	شب کی آہیں بھی نیکیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے، اپنا صلا بھی گئے	آکے بیٹھے بھی نہ تھے اذر کا بے بھی گئے
اے عشاق۔ گئے وعدہ فردا لے کر	اب اٹھیں ڈھونڈو؟ چراغِ رخِ زیبا لے کر
دردیلی بھی وہی۔ قیس کا پہلو بھی وہی	خچر کے دشتِ جبل میں ہم آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی جس کا جادو بھی وہی	اُمّتِ احمدِ رسول بھی وہی تو بھی وہی
پھر یہ آنند کی غیر سبب کیا معنی؟	اپنے شیراؤں پہ چیشمِ غضب کیا معنی؟
تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا	بت گری پیشہ کیا بت گئی کو چھوڑا
عشق کو عشق کی آشفتمہ سری کو چھوڑا	رہنمِ سلمان و اوسین قرنی کو چھوڑا
آگِ تکبیر کی سینوں میں دہی رکھتے ہیں	زندگی مثلِ بالِ حبشی رکھتے ہیں
عشق کی خیر؟ وہ پہلی سی ادا بھی نہ سی	جہادِ پیاپی تسلیم و رضا بھی نہ سی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نا بھی نہ سی	اور پابندیِ آیین و نوا بھی نہ سی
کبھی ہم سے، کبھی غیروں سے شناسائی ہو	بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر حال ہی ہو
سرفاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے	اک اشارے میں ہزاروں کیلیدِ دل تو نے

۱۱۵	جوئے خوں می اچکد از حسرت دیرینہ رسا می بند مالہ بہ نشتر کدہ سپینہ رسا	
ہوئے گل لے گئی بہرون چین راز چین عہد گل ختم ہوا۔ ٹوٹ گیا ساز چین	کیا قیامت ہو کہ خود پھول ہیں غار چین اڑ گئے ڈالیوں سے نہ مزہ بردار چین	
۱۱۶	ایک بلبل ہو کہ ہو محو ترغم اب تک اُس کے سینے میں ہو نغموں کا ملاحط اب تک	
قمریاں شایخ صنوبر سے گریزاں بھی ہیں وہ پُرانی روشنی باغ کی دیراں بھی ہیں	پتیاں پھول کی چھڑ چھڑکے پرشیاں بھی ہیں ڈالیاں یہ بہن برگ سے عراں بھی ہیں	
	قید و سب سے طبیعت رہی آزاد اُس کی کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اُس کی	
لطف مرنے میں ہو باقی نہ مزہ جینے میں کتنے بتیاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں	کچھ مزہ ہو۔ تو یہی خون جگر پینے میں کس قدر جلوے تر پتے ہیں بے سینے میں	
	اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں دماغ سینے میں رکھتے ہیں وہ لالے ہی نہیں	
چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں یعنی پھر زندہ نئے عہد و فلسے دل ہوں	جاگنے والے اسی ہانک در سے دل ہوں پھر اُسی بادہ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں	
	عجی غم ہی تو کیا! تو تو جازی ہی مری	

چیلوں نے پھنڈے گاڑے تھے۔ پرہت پر بھاؤنی چھائی تھی  
 تھے خیمے ڈیرے بادل کے۔ کمرے نے قنات گائی تھی  
 یاں برف کے تودے گلتے تھے۔ چاندی کے قوسے چلتے تھے  
 چشے سیاب اگلتے تھے۔ نالوں نے دھوم مچائی تھی  
 یاں قلندر کوہ پر رہتا تھا۔ ایک مست قلندر بیراگی  
 تھی راکھ جٹاؤں میں جوگی کی اور رنگ بھوت رمانی تھی  
 تھا راکھ کا جوگی کا بستر۔ اور راکھ کا پیراہن تن پر  
 تھی ایک لنگوٹی زیب کمر۔ جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی  
 سب خلق خدا سے عجیب۔ وہ مست قلندر دیوانہ  
 بیٹھا تھا جوگی مستانہ۔ آنکھوں میں سستی چھائی تھی  
 جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں۔ اور جھک کر میں نے سلام کیا  
 تب آنکھ اٹھا کر ناظر سے۔ یوں بن باسی نے کلام کیا

\*\*\*

کیوں بابا ناحتی جوگی کو۔ تم کس لیے آکے سنا تے ہو  
 میں نیچہ بکھیر دین باسی۔ تم جال میں آکے پھنسا تے ہو  
 کوئی جھکڑ اداں چپاتی کا۔ کوئی دعویٰ گھوڑے ہاتھی کا  
 کوئی مشکوہ نگھی ساتھی کا۔ تم ہم کو سناتے آتے ہو

واں دل کا غنچہ کھلتا ہی۔ ہر رنگ میں موہن ملتا ہی  
چل شہر میں سنگہ بجا جو گی۔ باز ایں دھونی سا جو گی

— — — — —

اں چکنی چھڑی باتوں سے مت جو گی کو پھسلا با با  
جو آگ بجھائی جتنوں سے۔ پھر اُس پہ نہ تیل گرا با با  
ہی شہروں میں تل شور رہتا۔ اور حرص و ہوا کا زور رہتا  
بستے ہیں نگر میں جو رہتا۔ سادھو کی ہن ہیں جا با با  
ہی شہروں میں شور و شہ نفعانی۔ جنگل میں ہی جلوہ نوری  
ہی نگر کی ڈگری کثرت کی۔ بن وحدت کا دریا با با  
ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں۔ چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں  
راجہ کے نہ دوارے جاتے ہیں۔ پر جاکی نہیں پروا با با  
سر پر آکاس کا منڈل ہی دھرتی پہ سہانی مغل ہی  
دن کو سورج کی محفل ہی شب کو تاروں کی سیجا با با  
جب عجب دم کے یاں گھن آتے ہیں۔ بستی کا رنگ جاتے ہیں  
چشمے طہنور بجاتے ہیں۔ گاتی ہی ملا رہوا با با  
یاں پنچھی مل کر گاتے ہیں۔ پیتم کے سندیس سناتے ہیں  
یاں روپ انویا دکھاتے ہیں۔ پھل پھیل اور گیا با با

تم نالہ مطلوب کو بے کار نہ سمجھو ایسوں کو ستانا نہیں اچھا نہیں اچھا!	پا پہ نہ ہلا دے وہ کہیں عرش بریں کا لے صبر نہ دی چنچ کسی گوشہ نشین کا
احسن کی تسلی تو دز اس کیجیے آ کر اب آ ہی گیا وقت دم باز پسین کا	
۲۰۶	
بنی ہو دم پہ تو ایسا خیال ہوتا ہی جما ہوا ہی تصور کچھ اس طرح دل میں غتاب میں نہیں رکتی نقاب چہرے پر صفت نیاز میں رہتا ہی سر بلند وہی ترے ستم پہ یہ ہوتا ہی دل کہ قطع کروں	وگر نہ ترک تعلق محال ہوتا ہی کہ خواب میں بھی اسی کا خیال ہوتا ہی عیال جلال میں ان کا جمال ہوتا ہی تمہارے ہاتھ سے جو پامال ہوتا ہی مگر پھر اپنے کیے کا خیال ہوتا ہی
امید صلح نہ رکھ بد مزاج سے احسن کہ اس سے میل کے بدلے ملال ہوتا ہے	
۹۲ حسرت ۱۸۶۵ء	
حسرت فضل احسن۔ خلف سیدنا محمد صاحب مویان ضلع اناؤ کے باشند ہیں۔ سال پیدائش تقریباً ۱۸۶۵ء مطابق ۱۲۸۲ھ ہی متعلقہ ہیں	



یہ رنگیں ماہر اے عشق شیریں کا پر پیدا ہو	ہوا اے بارہن بھی رنگ بویہ بار پیدا ہو
کہ چشم شوق ہیں اک سن کا گلزار پیدا ہو	ترے روئے دل آرزو کے تصور کا عالم تھا
ترے اقرار آساں سے نرا انکار پیدا ہو	مرے اصرار مضطر ہیں تھی میری پوسی
ہمیں سے اختلاف سچہ و زنا پر پیدا ہو	طریق عشق جاناں کو عبد اگر و مسلمان کا
بسانِ خوابِ شکرِ طالع بیدار پیدا ہو	نگاہ آرزو و گلچینِ بلبل کا مرانی ہو
ستم تیرا بہ رنگ پر سسش اختیار پیدا ہو	وفا میری بیشک بے زبانی آشکارا تھی

نیم دہائی کی پیروی آساں ہیں حسرت  
تجھی سے ہو کہ بہہ نیرنگی گفتار پیدا ہو

## ۹۳ فانی سنہ ۶

مولوی شوکت علی خاں بی۔ اے۔ ایل بی بدایونی پیدائش ۱۲۷۵ گریبی کالج کے  
گراجویٹ ہیں۔ ان میں علی گڑھ کالج سے ایل ایل بی ہوئے۔ کئی سال تک لکھنؤ میں  
دکالت کرتے رہے۔ آج کل بریلی میں قیام ہے۔ آپ کا کلام علی گڑھ کالج میگزین  
اور دیگر ماہوار رسالوں میں اکثر چھپتا ہے۔ اب تک کوئی دیوان شائع نہیں ہوا۔

## ۲۰۸ غزل

مری مہبت پہ ان کا طرزِ ماتم کس بلا کا ہو  
دل بے مدد سے پوچھتے ہیں عاکیا ہو

کہ جس نے اپنی محنت ہی کو محنت کا ثمر جانا نہیں تو بہت آسان اس جینے سے مر جانا کہ شامِ غم کی تاریکی کو بھی تو رُح جانا	چہنِ رنجِ بہت میں اُسی نے باغبانی کی وہ سودا زندگی کا سودہ کہ غم انسان ستانا وہ طبعِ یاس پر ورے مجھے چہنِ حقیقت دی
---	--

### رامائن کا ایک سین

راہ و فنا کی منزلِ اول ہوئی تمام دامن سے اشکِ پوچھ کے دل سے کیا کلام	رحمتِ ہوا وہ باپ لیکر خدا کا نام منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام
---	---

آخر ہر کچھ حدِ ستم و ظلم و جور بھی  
ہم کو اُداس دیکھ کے غم ہو گا اور بھی

خاموشیِ ماں کے پاس گیا صوفی خیال سکتہ سا ہو گیا ہی یہ ہی شدتِ ملال	دل کو ہنسا لٹا ہوا آخر وہ خوشِ حصال دیکھا تو ایک میں وہ بیٹھی ہو خصال
---	--

تن میں ہو کا نام نہیں زرد رنگ ہی  
اگوا یا بشر نہیں کوئی تصویرِ رنگ ہی

فورِ نظر ہو دیدہ حسرت کی نگاہ لی گوشہِ بے چشم سے اشکِ نزع کی راہ	کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ جنبشِ ہوی لبوں کو بھری ایک سرفراہ
---	---

چہرہ کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا۔  
ہر مومنے تنِ زباں کی طرح بولنے لگا

لائے دلہن جیسا کہ شادی ہوئی گمال	آدنیہ آئی گچھ پہ ہوئے جب سفید بال
پھٹتی ہوں ان سے جگ لیا جن کے وسط	کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے وسط
ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر	گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مرا بھی نخل تنہا جو بے ثمر	یہ جائے صبر بقی کہ دعا میں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے معتد رہ گیا	پھل پھول لاکے باغ تنہا اُجر گیا
سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا	مخچر دھار میں جویں مری شستی ہوئی تنہا
آئی نظر نہیں کوئی امن و امان کی راہ	اب یاں سے کچ ہو تو عدم میں ملے نہا
تقصیر میری خالق عالم بخل کرے	آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے
سُکرنے باں سے ماں کی یہ فریاد دروغین	اُس ہستہ جاں کے دل چلی عمر کی تین
عالم یہ تھا قریب کا کٹھن میں اٹک رہی	لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے جلیں گزرنہ جائے	ہاں شاد ہم کو دیکھ کے ماں اور بچا بے
پھر عرض کی یہ مادرِ شاد کے حضور	مایدیں کیوں ہیں آپ لطم کاہ کیوں فخر
صدمہ یہ شوق عالم پہ پی میں ہو ضرور	لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار و در

	اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہاتھ سے
کہتے تھے لوگ دیکھ گئے باپ کا مال ہو کر پاک کی شان گزرتے ہی ماہ و سال	ان بھلیوں کی جان کا بچا ہی با محال خود دل سے دروہ بچکا مٹنا گیا خيال
	ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا آخر کو روکے پیڑھے اور کیا کیا
پڑنا جس غریب پہ رنج و عن کا بار ماتم ہو کے ہوتے ہیں نشان گناہگار	گرتا ہی اس کو صبر عطا آپ کر دگار یہ جانتے نہیں وہ ہی دانائے روزگار
	انسان اس کی راہ میں ثابت قدم ہے گردن دہی ہو امر و رضا میں جو غم ہے
اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام ہونے ہیں بات کرنے میں وہ برتن نام	بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام قائم امید ہی سے ہو دنیا ہی جس کا نام
	اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں کیا ہو گا دو گھنٹی میں کسی کو خبر نہیں
اکثر ریاضتیں ہیں پھولوں پہ باغبان لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہی ناگہاں	ہی دن کی دھوپ رات کی غم آنکھیں گریں وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں انگلیاں
	رکھتے ہیں جو عزیز انھیں اپنی جاں کی طرح ملے ہیں سست یا سہ برگِ خفا کی طرح

## ۲۱۱ غزل

<p>دل بھرا یا چسوئے گو رِغریاں نکلا یوں رہا ہو کے ترا قید ری زرداں نکلا پھر وہی مرحلہ چاکِ گریباں نکلا دُڑے درتے میں مئے گھر کے نیاباں نکلا کون مچل سے تری چاکِ گریباں نکلا کو چہ بار میں مسنت کش درباں نکلا</p>	<p>طبقتِ خاک میں اک عالم نہاں نکلا قبر تک لاسن گئی۔ ساکت ہوا اک عالم بانہ بڑھنا تھا کہ رگِ رگ میں اود ڈگی روح اس پیکرِ تعمیر کی مٹی ویرانی پردہ گل سے ہوا فاش جنوں کا پردہ آہ! وہ دل کہ جو تھا مختلف استغنا</p>
--	---

خود گشتی سے بھی ہوئی کارِ براری نہ غرور  
سہل جو کام تھا وہ بھی تونہ آسان نکلا

۲۱۲

حقیقت ہیں جو سید عالم ایجاد کرتے ہیں  
وہ ہر ذرے میں اک دنیا نئی آباد کرتے ہیں  
ہمارے ضبط میں نہاں ہو نظمِ عالم ہستی  
نہ تو تم کو یقین اس کا تو ہم فریاد کرتے ہیں  
کوئی دنیا کی قوت اب مٹا سکتی نہیں سچہ کو  
زمینِ دل تجھے ہم اس طرح آباد کرتے ہیں

# فہرست نمبر ۱

اس فہرست میں ہر شاعر کو بہتر ترتیب حروف بحجی درج کیا گیا ہے اور ہر صفحہ جس پر اس شاعر کا کلام ملتا ہے اس کے محاذ میں لکھا گیا ہے

صفحہ	شاعر	صفحہ	شاعر	صفحہ	شاعر
۲۷	جرات (ج)	۲۸	اکبر	۱۶	آتش (الف)
۱۷۵	جلال	۶۳	ارناٹ	۱۷۷	آزاد
۲۳۸	جلیل	۱۲۹	امیر	۸۳	آزردہ
۲۷۰	چکست (چ)	۳۱	انشا	۱۸۵	آصف
۱۹۲	حالی	۷۳	انیس	۲۱۹	اثر
۲۲۲	حافظ	۲۰۸	افج	۱۹۱	احسان
۱۷۲	حبیب		ب	۲۶۶	احسن
۲۶۷	حسرت	۱۲۶	بیان	۱۵۰	احمدی
۱۳۲	حسن	۱۸۸	بے خود	۶۱	اختر
۱۲۳	حیا	۲۲۶	بے نظیر	۱۳۶	اختر (شاہ ادبی)
۱۵۷	داغ		ست	۱۳۷	ادیب
۱۲۰	دبیر	۵۱	تسکین	۱۶۷	ارشاد
۱۱	درد (خواجہ پیر)	۱۸۷	تسلیم	۲۰۹	اسمعیل
۵۳	ذوق		ث	۱۱۲	اسیر (لکھنوی)
۱۶۸	راغب	۱۰۵	نائب	۲۷۰	اقبال

# فہرست نمبر ۲

صفحہ	شاعر	غزل یا نظم کا پہلا مصرعہ بہ ترتیب حروف تہجی
		(الف)
۱۰۱	غالب	ابن مریم ہوا کرے کوئی
۲۲۳	اشرف	اپنی نظروں میں کھپے خود رخ زیبہ ہو کر
۱۶۷	ارشد	الہی جان دی ہو میں نے کس کے رومے روشن پر
۱۲۶	ظفر	اولے دیکھ لو جاتا ہے گلہ دل کا
۱۹۰	بیخود	ازل میں داد و بخش کا جو حکم عام ہوا
۲۴۱	نے نظر	اس جگہ اگر گریے ہم ٹھوکریں کھاتے ہوئے
۱۶۷	جلال	اس سے کچھ ذکر مرا بھی دلِ ناشاد رہے
۱۹۱	احسان	اس کو نہ سوچ چلے کہ ستم یا کرم ہوا
۱۵۶	زکی	اسیری میں تباہی رونق کا اشک ہو جاے
۱۱۰	شوق	اقربا میرے ہو گئے آگاہ
۱۲	درد	اگر یوں ہی یہ دل سستا رہے گا
۲۰	سوز	اگر میں جانتا ہوں عشق میں دھڑکا جانی کا
۲۳۵	شاد	اگر ظاہر نہ ہر صورت میں صورتِ آفرین ہوتا

۱۵	حسن	بدن کو جو دیکھا تو زار و تزار
۱۴۲	فروغ	بڑھ گئی بعد میرے گرمی و حشت میری
۱۷۱	غنچا ز	بڑی ہر اک عظیم الشان شے سے
۱۹۸	حالی	بس ایسا امیدیں نہ یوں دل بچھا تو
۲۶۷	احسن	بہی ہر دم پہ تو ایسا خیال ہوتا ہے
۶۴۲	امانت	بھولا ہوں میں عالم کو سرشرا سے کہتے ہیں
۷۶	افیس	نے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
(ب)		
۲۵	میر	پتہ پتا بولنا بولنا ہمارا جانے ہی
۴۵	گویا	پھر یہ دل شیفہ زلف پریشاں ہوگا۔
۱۳۳	نیشاں	پی کے گرنے کا کچھ خیال نہیں
۹۷	غالب	پیش سے میری وقت کشمکش ہر تار بستر ہر
۲۴۲	بے نظیر	تیرے رخ پہ جم کر نظر رہ گئی
۲۴۶	ریاض	تربت ہماری دیدہ حسرت چین میں بھٹی
۲۰	سوز	تربتی کیوں ہر اک بلبل کمال اتنا تو پیدا کر
۱۳۹	مصدقہ	تھا شکایت کا جو ان سے حوصلہ جاتا رہا
(ط)		
۳۴	نظیر	نہک حریف ہوں کو چھوڑ میاں مت دیں بلکیں پھرے مارا
۹	سودا	ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا۔



۱۳۷	اختر	<p>( ب )</p> <p>چاک چاک اپنا گر بیاں نہ ہوا تھا سو ہوا  چلا ہی اوول راحت طلب کیا شادماں ہو کر  چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دم بدم  چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا</p>
۵۲	وزیر	
۷۴	انیس	
۲۵۰	اقبال	
۶	ولی	<p>( ح )</p> <p>حُسن تیرا سورج پہ فاصل ہی  حُسنِ پری اک جلوہ مستانہ اِکڑ میں کا  حسرت دید بڑھتی جاتی ہی  حُسن جب صورت گردونِ خود آرائی ہوا  حُسن و الفت میں خدائے ربط پیدا کر دیا  حقیقت میں جو سیر عالم ایجاد کرتے ہیں  جو پر اُکھ نہ ڈلے کبھی شبِ بیدار تیرا</p>
۴۴	آتش	
۱۶۵	خلق	
۱۷۴	حبیب	
۲۴۸	خلیل	
۲۷۷	عزیزہ	
۶۰	نندہ	
۱۱	سودا	<p>( خ )</p> <p>خانہ پرورد چمن ہیں آخر اسی صیاد ہم  خارِ مطلوب جو ہووے تو گلستاں مانگوں  خدا کو مانو ہنسی نہ جانو نہ میرے دل پر جفا کرو تم  خواہشیں دنیا کی بار ووش و گردن ہو گئیں  خوش ہو اسی بخت کہ ہر آج ترے سر سہرا</p>
۴۴	آتش	
۱۳۴	قدر	
۲۰۸	اوج	
۱۰۱	غالب	

(۱)

۸۷	غالب	رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
۲۷۱	چکبست	رخسرت ہوا وہ باپ سے۔ لیکر خدا کا نام
۲۲۶	شوق	روح کو آج ناز ہی اپنا وقار دیکھ کر
۱۱۸	سالک	رو سے جنت میں بھی ہم کر کے بیان دہلی
۹۷	غالب	رہے اب ایسی جگہ چل کر۔ جہاں کوئی نہ ہو
		(۲)
۲۵۳	اقبال	زمانہ آیا ہر نے جابی کا وصل دیدار یا رہوگا
		س
۲۵۱	اقبال	سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
۱۰۷	شفیقہ	ساتی کو میکانہ میں سسناؤ توں ہو
۳۵	نظیر	سافون کی کالی سائیں اور برق کے اشارے
۹۰	غالب	سب کہاں۔ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
۱۶۲	داغ	ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ الفت بھی نہ کرنا
۲۴۷	مضطر	سچ یہ کہ میں کون متاع دل و جاں کا
۲۳۲	شہیر	سہر سہر پھر اسخبر مدعا ہوا
۱۳	درد	سہر سہر غنائیں تیرے ہی اشک غم سے
۲۷۲	ممنون	سہر سہر غم دوستی ہو وے بغیر دل کہاں
۱۴۸	بیان	سلاطین کا تالے رہا ہر زمانہ
۲۲۲	اثر	سنا حال دل بہ کہل کچھ نہیں

۴۱	شہیدی	(غ)
۲۱۶	شناد	غضب ہو جس بت کا فرچ اپنا دم نکلتا ہر سر کیا
۶	ولی	غفلت میں ہوئی اوقات سرائی عمر گر بڑاں کچھ نہ کیا
۱۵۸	داغ	غفلت میں وقت اپناں نہ کھو ہر شیا۔ ہوشیار ہو
۹۳	غالب	غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم
۲۸	جرات	غیر نا شکستہ کو۔ دوسرے مت دکھا۔ کہ یوں
۶۲	نسیم	غیر کو ہم نہ آکھ بھر دیکھو
۱۵۹	ثاقب	فضل گل آئی ہر گل اور ہیشتاں ہوں گے
۱۸۶	تسیم	فکر وصال و ہجر کا صدمہ اٹھائیے
۲۵۲	اقبال	(ق)
۹۸	غالب	قیامت کی ہر بیانی سر تک چشم گریاں میں
۵۱	تکین	کبھی اچھت منظر نظر آ۔ لباس مجاز میں
۱۴	دور	کبھی بیکی بھی اس کے جی میں گرا جائے ہر مجھ سے
۵۴	ذوق	کر سکے دفن نہ اس کو چے میں احباب مجھے
۱۸۱	سرور	کس کا! کون کیا کسو سے کہتا
۲۳	میر	کسی بیکس کو ای بیدا گر مارا تو کیا مارا
۶۲	اختر	نسی مست خواب کا عیش انتظار سو جا
		کل پاؤں ایک کام سر پر جو آگیا
		کل بن کے شیعہ مجتہد عصر قیا

۶۱۵	نسیم	گل کا جو الم چین چین ہو
۱۸۳	ظہیر	گل افشانی کے دم بھرتی ہو چشم خوں فشاں کیا کیا
۲۳۱	نظم	گلکشت باغ میں نظر آیا یہ صمیم
۷۷	انیس	گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
۲۲۵	حافظ	گو سر کو کرے جتن یہ جو ہر ہر تو کیا
۱۸	قائم	کے پیر شیخ و گاہ مرید مغاں رہے
		(ل)
۸۹	غالب	لازم تھا کہ دیکھو مراستہ کوئی ٹون اور
۲۹	معصی	لافت خوبی ترے عارض پہ جو گلشن مارے
۵۷	ذوق	لائی حیات آئے قصائے حللی چلے
۱۵۹	داغ	لذت سیر در چشم تمنائے گی
۸۸	غالب	لرزتا ہو مراد دل رحمت مہر درخشاں پر
		(م)
۲۱۱	اسمعیل	مانع ہر گشتگی وہ سنگِ دریا ہوتا نہیں
۱۷	قائم	مجھ سے کوئی بجان میں آشفۃ سر نہیں
۳۱	انشا	مجھے رونا آتا ہر شیخِ سحر پر
۳۳۳	انشا	مجھے کیوں نہ آوے ساتی نظر آفتابِ انشا
۳۹	ناسخ	مرا سینہ ہے مشرقِ آفتابِ داغِ ہجر ال کا
۶۹	مظفر	مری آنکھ بند تھی جب تک وہ نظر میں نورِ حلال تھا
۷۹	انیس	مرا رازِ دل آتکھارا نہیں

۱۹۶	حالی	عابدہ کہ فخرِ بلادِ جہاں تھا (۷)
۱۶	حسن	پھولوں کی خوشبودہ ستھرا لینگ
۳۸	مومن	سہل سے میں تو ریتھا ہمیں یاد ہو کر یاد ہو
۱۳	درد	گنہ کا بوجھ جو بدن پہ ہے افراغ تھا
۱۳۰	منیر	گو سر کو کہے جمع یہ جو ہر ہاتھ لکھا
۷۱۸	مشاور	کہ پیر شیخ و گاہ مینا، مٹی اہل بیت رحمت کے ہر شخص کو مٹایا
۲۲۹	نظم	و سم ہی کہ خوابان جہاں بنتے سنورے ہیں
۱۹۴	حالی	لازل لبیل میں رحمت لقب پانے دالا
۴۶	مومن	و جوان عابد و زائد کہ سب سے
۱۲۲	نواب	(۸)
۱۲۱	دبیر	ایکون لکھ تیری رہ گزری سیر میں برسوں
۸۹	غالب	دل میں جب در آئیں گے فوجِ شریکے
۲۱۶	مشاور	اسے کھل جاؤ بوقتِ محبتِ ابلیس
۱۰۵	نائب	ماں اسے نہ سن ادا ہوا عشقِ کرشمہ ساز کا
۱۴	درد	مجھ سے بہت تر جذبِ دل دکھائیں
۱۲	درد	بہنے بھی گھی جام و سب و دیکھا تھا
۲۳۰	نظم	مجھ نے کس راتِ نالہ سہ نہ کیا
۱۵۶	زکی	مرا ہنسی میں وہ بابت کہہ دی کہ رہ گئے آپ نگاہت
۲۶۹	حسرت	نہی ہر کی برائی تھری
		اے یار میں بھی رنگ و بو سے یار پیدا ہے









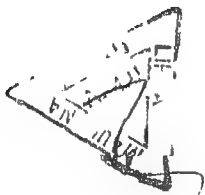




Attest: \_\_\_\_\_

*[Handwritten signature]*

1251A



2002-4

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U'17418

6



تو زانیہ زبا قول میں ہے تو یہ ایک مجرم معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر قلیل بات  
میں اُردو نظم کو وہ جلا دیدی گئی جو مہذب اور شستہ خیالات کے سیلے  
اصل الاصول ہیں۔

صرف ایک ذات واحد کا کیا ہوا انتخاب اسی وقت ہر شخص کے مذاق  
کے مناسب ہو سکتا ہے جبکہ وہ لطف کو قدرت سے ذہانت کا کافی حصہ ملا ہو۔  
(نہشتی سے ہیں اس سے کوسوں دور ہوں) جو اصول میں نے اس انتخاب  
میں مد نظر رکھا ہے وہ نہایت سادہ ہے۔ میں نہ شاعر ہوں نہ فن سخن کا نقاد و کمال  
لیکن مجھے اپنی قوم کے فن شعر کے ساتھ بچا عشق ضرور ہے میں نے وہی کلام  
انتخاب کیا ہے جس کو میرے دل نے پسند کیا جن اشعار نے مجھ پر گہرا اثر کیا  
انہیں کو میں نے اس تذکرہ میں لیا ہے اور جن اشعار سے صرف فارسی  
اور فوری ولولہ پیدا ہوتا تھا اُن کو ترک کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ میرا فکریہ بھی  
اس معاملہ میں میرا رہنما تھا۔ پس اگر ناظرین کو اس انتخاب میں کوئی سقم نظر  
آئے تو وہ اسے اُردو نظم کا نقص نہ خیال کریں بلکہ فی الواقع وہ اس کو  
میرے مذاق کی کمی سمجھیں۔

میں اس موقع پر اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مجرم  
بالخصوص ان اصحاب کے لیے مرتب کیا گیا ہے جو میری طرح اس نئی روح  
پر جو ہماری شاعری میں پھونکی جا رہی ہے نگاہ رکھتے ہیں اور قدیم طرز  
کے خیالات کے شیدائی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی شہور غزلوں کو  
جن میں وہ خیالی مضامین نظم کیے گئے ہیں جو ایک زمانہ میں ہماری مثال



شاعران سے پہلے بھی گزرے ہیں۔ ولی کے وقت سے ہمارے زمانہ کی اُردو میں نمایاں فرق ہو گیا اور ان کے دیوان کو موجودہ اردو ادب میں قدیم اُردو کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے لیکن آج بھی باوجود صدیاں گزر جانے کے بعض بعض اشعار اُن کے دیوان میں بہت صاف ملتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں :-

مفلسی سب بہار کھوتی ہو  
اکمرد کا اعتبار کھوتی ہو

ولی کا دیوان مختلف مطالب میں چھپ چکا ہے لیکن اب کیاب ہو اس کا ایک ایڈیشن پیرس میں نہایت اہتمام کے ساتھ ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا تھا جس کا دیباچہ فرانسیسی زبان میں مسٹر جے ہیل گریسن ماسی نے لکھا ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے :-

(۱)

دل طلبگار نازِ مہوش ہو	لطف اس کا اگر چہ دلکش ہو
مجھ سوں کیونکر ملیں گائیراں ہوں	شوخی ہونے وفا ہو سرکش ہو
کیا تری زلف کیا تری ابرو	ہر طرف سوں مجھے کشاکش ہو
بچھین اے داغ عشق سینہ و دل	جہن مالہ دشت آتش ہو

ای ولی تجربہ سے پاتا ہوں  
شعلہ آہ شوقِ بخشش ہو

(۲)

حسن تیرا سورج پہ فاضل ہو	لمحہ ترا رشکِ مادرِ کامل ہو
--------------------------	-----------------------------

منطقی سب بہار کھوتی ہو	مرد کا اعتبار کھوتی ہو
کیونکہ حاصل ہو مجکو جمعیت	زلف تیسری قرار کھوتی ہو
ہر سحر شوخ کی نگہ کی شراب	مجھ انگھاں کا خمار کھوتی ہو
کیونکہ ملنا صنم کا ترک کروں	دلبری اختیار کھوتی ہو

۱۷۷	اولی آب اس پری رو کی بیرے دل کا غبار کھوتی ہو
-----	--

	(۲) سودا (۱۷۷۱ء)	
--	------------------	--

میرزا محمد رفیع نام ۱۷۷۱ء کو دہلی میں ولادت ہوئی۔ ان کے بزرگ تجارت کرنے کے لیے کابل۔ سے ہندوستان میں آئے تھے اور اسی رعایت سے انھوں نے سودا تخلص اختیار کیا تھا۔ شاہ حاتم کے تلامذہ میں نامور اور اپنے زمانہ کے علم الثبوت اُستاد تھے حضرت میر کے ہم عصر تھے انھوں نے قصائد کے لحاظ سے اردو کو فارسی کا ہم پلہ بنا دیا تھا تمام اضافت سخن پر قدرت رکھتے تھے خصوصاً ہجو گوئی میں کمال حاصل تھا جب دہلی آجڑ کرکھن آباد ہوا تو دیگر اہل کمال کے ساتھ شعرا میں سب سے پہلے میرزا صاحب کھنؤ کو منتقل ہوئے اور وہیں بہ عمر ۶۷ سال ۱۷۷۱ء مطابق ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا ان کے کلیات کو ۱۱۹۰ھ میں حکیم سید صالح الدین خان نے مرتب کیا تھا جو ہر جگہ دستیاب ہو سکتا ہے۔

<p>پھر گل سے اویسایے بلبل کھو نہ بولے          شبنم سے کدے بلبل سناپے گلہاں کے دھولے          اک دل ملا کہ جس میں ہیں کڑوں ملولے          اس دل پہل جو ہوگی سو آج ہی نہ بولے          مند جائیں حشیم عاشق تو بھی ہاں کھولے          دیکھ کے پڑے اچھاتی میں سب بچھولے</p>	<p>جوں غنچہ تو چین میں بند قبا کو کھولے          آویگا وہ چین میں تڑکے ہی دکشتی کو          باغ جہاں میں آکر کچھ ہم نے پھل نہ پایا          ایسا ہی جاؤں جاؤں کرتے ہو تو سدھارو          کم بولنا ادا ہو ہر چند پر نہ آنا          چشم پر آب ہوں میں جیوں آئینہ جانی</p>
<p>کون ایسا ہو کہ یہ سودا گلی میں اس کی          لاکھوں لچلوں میں دل کھول کر توروں</p>	<p>۷          ✓</p>

(۸)

<p>میں موسم بہار میں تنہا بریدہ ہوں          اس ہیکہ کے بیچ عیش آفریدہ ہوں          جیوں گل ہزار جا سے گریباں پہ ہوں          ظالم میں قطرہ قطرہ مرہ خوں چکیرہ ہوں          دل دادہ رلف ہوں رخ دلبر زندہ ہوں          خون جگر میں ہیں ہی تو دامن کشیدہ ہوں          اویسے خبر میں نالہ حلن بریدہ ہوں</p>	<p>فی اہل چین نہ گل نو دمیدہ ہوں          گریاں نہ شکل شبنم و خنداں نہ طرز جام          کوئی جو چوچتا یہ کس پر جو داد خواہ          تیغ نگاہ چشم کا تیرے نہیں حریت          کس سے کرول میں عوڈو دل جا کے اے خدا          گرتا ہو جا کے گل کی تسلی چین میں تو          غافل ہے کیوں تری وقت سے گوشن ل</p>
<p>میں کیا کہوں کہ کوئی نہ ہو و بقول درد</p>	



اپنے وطن کو خیر باد کہتی شروع کر دی تھی مگر توکل اور قناعت نے انہیں دہلی سے باہر نہ جانے دیا اور اپنے سچا دے پر بیٹھ رہے خواجہ صاحب نے ۳۰ جنوری ۱۸۸۵ء مطابق ۱۱۹۹ھ کو انتقال فرمایا۔

### (۱۰) غزل

<p>ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا کتنے بندوں کو جان سے کھو یا دیکھتے کو رہے ترستے ہم آپ سے ہم گذر گئے کب کے کو نسا دل ہو وہ کہ جس میں آہ کیوں بھولتا ہوتے ہو بندہ نواز</p>	<p>ہم سے آہ نے اثر نہ کیا کچھ خدا کا بھی تو نے ڈرنہ کیا نہ کیا رحم تو نے پر نہ کیا کیا ہو ظاہر میں گو سفر نہ کیا خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا</p>
---	--

سب کے جوہر نظر میں آئے درد  
نئے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا

### (۱۱)

<p>اگر یوں ہی یہ دل ستا تا رہیگا میں جاتا ہوں دل کو تیسے پاس چٹے اگلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں</p>	<p>تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا مری یاد تجھ کوں دلاتا رہیگا میں ہو بخوں کا جب تک یہ آتا رہیگا</p>
--	--

مشتاق گر ترا کچھ کھئے تو کیا عجب ہر ہر جذبہ تمنا در غور نہیں ہمارے اب ہیں کہاں نالے سرشتگی کہ صر ہر ہر اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہ ہے کا ہے کو ہوتی ہم کو گردش نصیب طالع آتے ہیں دام میں کنجاشید رو کسو کے	ہوں مثل و گسٹ مجھیں پیلا ابھی قلم سے مزو یکا تو جو آوے کیا دور ہر کریم سے تھیں رتب بائیں بیت میرا ہی م قدم سے چندال نہیں ہر مطلب عشق کو پیشوا کہ سے گر پاؤں اپنا باہر رکھتے نہ ہم حدم سے اوشخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے شکم سے
--	---

ہر در پر بھی کچھ تو میری ہی سی مصیبت  
گھیرے ہو اور ہی غم چھوٹے جو ایک غم سے

(۱۵) رباعیات

ہم نے بھی کبھی جام و سبو دیکھا تھا ان باتوں کو اب جو غور کرتے ہیں تو	جو کچھ کہ نہیں ہو روبرو دیکھا تھا کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا
---	---

(۱۶)

کس کا کون! کیا کسو سے کہنا گزرے ہو اب اس طرح سے اپنی غمزدگی	اپنا اپنا ہر ایک کا ہی لہنا روتا چپکے پڑے اکیلے رہنا
--	---

(۱۷) حسن (۱۶۸۹ء)

میر غلام حسن خلعت غلام حسین رضا ملک - بزرگوں کا اصلی وطن ہرات ہرگز نہ

<p>جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے          نہ منظور سر نہ نہ کا جل سے کام          لیکن یہ خوابوں کا دیکھا سُبھاو          جو ماتھے پہ چین رحیم غم سے ہے          وہ آنکھیں جو روتی ہیں لیکن ٹپھوٹ          گریباں سینہ پہ جو ہے کھلا          نقا ہست سے چہرہ اگر زرد ہے          ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا</p>	<p>غم آلودہ صبح طرب ناک ہے          نظریں وہی تیرہ بختی کی شام          کہ گڑے سے دونا ہوا ان کا بناو          تو وہ بھی ہے اک سبج دریا سے مری          تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ          تو گویا ہے وہ صبح عشرت فرا          ویا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے          کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی ہوا</p>
--	---

## (۱۸) خواہنگاہ

<p>وہ پھولوں کی خوشبو وہ سٹھرنیک          سرا سدا چنے زری بات کے          کھنچی چادر اکس پہ شبنم کی صاف          کسے اُس پہ کسے وہ مقیش کے          دھرے اس پہ نیلے کئی نرم نرم</p>	<p>چوانی کی نیندا وروہ سونے کا رنگ          کہ تھے رشک آئینہ صاف کے          کہ ہو چاندنی جس صفا کا غلاف          کہ چھتوں میں تھے جن کے موتی ٹمکے          کہ مغل کو ہو جس کے دیکھنے سے شرم</p>
---	--

## (۱۹) شونہ رقتار

<p>عجب چال سے وہ چلے نازیں          بندھا سر پہ جوڑا پٹری زرد شال</p>	<p>اکہ مستی میں پاؤں کہیں کا کہیں          اکہ کی لچک اور تنک کی وہ چال</p>
---	---

ساقی نوشب کی دست رازی سفاک کر یارب خلش سے آہ کی ہو چونہ بہرہ مند جوں اشک ایک لغزش پایکے ہیں یار بندہ ہوں یخودی کا میں اس مست کے	ظالم قسم لے مجھ سے مجھے کچھ خبر نہیں جس دل کا تکیہ گاہ نہیں شتر نہیں ہستی سے تانہ نیستی چنداں سفر نہیں آشوب روزِ عشرت سے صلا خبر نہیں
--	--

(۳۰)

ایک جاگہ یہ نہیں ہو مجھے آرام کہیں اس کمر سے نگہِ شوق لپٹی تو ہر ایک تم نے کی دل کی طلب ہم نے کہا دیکھ لیک پائے دیوار سے پھر میری طرح وہ نہ اٹھا حذرِ تقصیر کی چاہو گائیں اس سے دل	ہو عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں جی یہ دھڑکے ہو کہ آجائے نہ الا کہیں یوں یہ فرما لیشین توئی ہیں مرا انجام کہیں جن نے دیکھا تھے اک یار میرا نام کہیں مگ تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں
--	--

عزم کہہ کا وقت ایم تو کیا ہی لیکن  
رہن کی کچھ نہ وہاں جامہ احرام کہیں

(۳۱)

گہہ پیر شیخ و گاہ مرید متاعاں رہے صبر و قرار و ہوش دل دیں تو اس رہے دینا پر ایم رہے تو کئی دن پاس طرح ایک دیکھ دل کوڑتے ہو کیا تم ہیں قیاں	اب تک تو آبرو سے بھی ہو جہاں ہے ایم نشیں یہ کہہ تو بھلا ہم کہاں ہے دشمن کے گھر میں جیسے کوئی یہاں ہے یہ چھینکنا پڑا کسی طرح جاں رہے
---	--

(۲۴)	
<p>کہ تیرا شک جی کہ پڑے گلزار ہو پیدا بجائے ہر گہ گل رشتہ نہار ہو پیدا کہ میری خاک سے سب کی جاگہ خا ہو پیدا</p>	<p>ٹپتی کیوں ہو ایلیل کمال تیرا تو پیکر ہاں تک کفر پورا چاہیے کہ جاگ لگش ہو فقیل خنجر کاں ہوں کیا یہ بھی تعجب ہو</p>
<p>مسیحانی ہو تیری نیچ میں یا سوز کو ڈھری جو لاکھوں بار ہوئے قتل لاکھوں پا ہو پیدا</p>	
(۲۵)	
<p>تو محشر تک نہ لینا نام ہرگز آشنائی کا بیاں ہم کیا کریں طالع کی پٹنہ ناسائی کا رکھے ہر ہنرمیں ہر میں عویٰ خدائی کا</p>	<p>اگر میں جانتا ہر عشق میں صر کا حدائی کا نہ ہو پختے آہ و نالہ گوش تک کچھ کھپنا خدا پاکس کے ہم بند کماویں سخت شکل ہر</p>
<p>خدا کی بندگی کا سوز ہو دعویٰ تو خلقت کو وہ لے دیکھا جسے بندہ ہو اپنی خود نمائی کا</p>	
<p>(۷) میرزا ۱۸۶۱ء</p>	
<p>سیر محمد تقی اکبر آباد میں پیدا ہوئے دہلی میں تعلیم و تربیت پائی عالی و ماغی نازک شاہی میں بچا نہ روزگار رکھے اُردو و شاعری کے خدائے سخن اور مسلم القودت اُستاد مانے جاتے</p>	

اس رنگ سے جھکے ہو پاک پر کہ کہے تو کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر لی سانس بھی آہستہ کہ نازک ہو بہت کام	ٹھکڑا ہوتا اشک عقیق جگری کا تھا دست نگر پنجہ مڑگاں کی تری کا آفاق کی اس کا رگہ شیشہ گری کا
---	--

ایک میسر جگر سوختہ کی جلد خبر لے  
ایک یا بھر وسا ہو چراغ سحری کا

(۲۷)

کیا کہوں کہ ساقم غفلت مجھ پر ہو گیا بیکسی مدت تلک برس کی اپنی گور پر کچھ خطرناکی طریق عشق میں نہاں نہیں مرد عا جو سو وہ پایا نہیں جانا کہیں	فاصلہ جاتا رہا میں صبح ہوتے سو گیا جو ہماری خاک پر سے پتھر گزرا رو گیا کھپ گیا وہ ماہر و اس ماہ ہو کر جو گیا ایک عالم جستجو میں جی کو اپنے کھو گیا
--	---

میسر ہر ایک بوج میں ہو رخصتی کا سا دل  
جسٹ گدہ دریا پہ آکر بال اپنے دھو گیا

(۲۸)

دل شوق کا ہمیشہ حریمِ نبرد تھا اک گرد و راہ تھا پل محل تمام ماہ دل کی شکستگی نے ڈرا سے رکھا ہمیں مانندِ حرفِ صفتِ ہستی سے اٹھ گیا	اب جس جگہ کہ داغ ہو یاں گے درد تھا کس کا غبار تھا کہ دہنا لہ گرد تھا داغِ چینِ جبین پرانی کہ یاں گنگناتھا دل بھی مرا جریدہ عالم میں فرو تھا
--	--

دیکھا؟ اس بیمار سی دل نے آخر کام تمام کیا  
 عہد جوانی رورو کا ناپیری میں لیں آنکھیں موند  
 یعنی رات بہت تھکے جاگے صبح ہوئی آرام کیا  
 حرف نہیں جاں بخشی میں اُس کی خوبی اپنی قسمت کی  
 ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پہنچام کیا  
 ناحق ہم مجبوروں پر تیہمت ہو مختاری کی  
 چاہتے ہیں سواپ کریں ہیں ہم کو عبت بدنام کیا  
 سارے رندا و باش جہاں گئے تجھ سے سجود میں جتنے ہیں  
 بانکے ٹیڑھے ترپھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا  
 سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی  
 کو سول اس کے اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا  
 کس کا کعبہ کیسا کون حرم ہو کیسا احرام  
 کوچے کے اُس کے باشندوں کو کیسیں سلام کیا  
 شیخ جو ہر سحر میں ننگا رات کو تھا میخانے میں  
 بھتہ خرقة کرتا ٹوپی مستی میں انعام کیا  
 کاش اب منہ سے برق اٹھا دے ورنہ پھر کیا حاصل ہو  
 آنکھ منہ سے پرانے گودیدار کو اپنے عام کیا

آگے اس متوجہ کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں  
 کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانتے ہیں  
 عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دنیا میں  
 جی کے زبیاں کو عشق میں اس کے اپنا وارا جانتے ہیں  
 چارہ گری بیماری دل کی رسم شہر حسن نہیں  
 ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارہ جانتے ہیں  
 کیا ہی شکار فریبی پر مغرور ہیں وہ ضیاء و بخت  
 طائر اڑتے ہو امیں سارے اپنا انا جانتے ہیں  
 مہر و وفا و عنایت ایک سے وقفان میں سے  
 اور تو سب کچھ طنز و کنایہ رمز و اشارہ جانتے ہیں  
 عاشق تو مردہ ہی ہمیشہ اٹھتا ہی دیکھے سے اُس کے  
 یار کے آجانے کو کیا ایک عمر دو بارہ جانتے ہیں  
 کیا کیا آفتیں سرور اس کے لاتا ہی معشوق اپنا  
 جس بیدل بیتاب و توں کو عشق بھارا جانتے ہیں  
 رخصتوں سے دیوا چین کے منہ کو لے ہی چھپائی  
 ان سوراخوں کے تک منہ کو سوکا نظارہ جانتے ہیں  
 تشنہ خوں ہی اپنا کتنا تیر بھی ناداں تلخی کش



طعن و تشنیع کے اب ہم ہیں سزاوار کہ تو ہم چلے دشت کو اب چھوڑ کے گھر بار کہ تو اب بھلا کھیتوں ہوں میں ہنر بار کہ تو اب بھلا ہم ہو سے رسوا سر بازار کہ تو	نہ جگہ جی کا پھنسا نا بٹھے کیا تھا دو کا وشت عشق بری ہوتی ہو دیکھا ناداں ہنر عشق کو سینے میں عبث بھڑکایا ہم تو کہتے تھے نہ ہمراہ کسی کے لگ چل
---	--

عور کیجئے تو یہ مشکل ہی زمین ای تجرات  
دیکھیں ہم اس میں کہیں اور بھی اشتراک تو

(۳۳)

میرے ہونے سے تو کچھ گرمی باز نہیں دل تو اٹھے ہی پر چرتے ہیں نگر وں دہن زخم کو گویا لب گفتار نہیں جس کو ظاہر میں جو دیکھو تو کچھ آزار نہیں	میرے ہونے سے تو کچھ گرمی باز نہیں دل تو اٹھے ہی پر چرتے ہیں نگر وں دہن زخم کو گویا لب گفتار نہیں جس کو ظاہر میں جو دیکھو تو کچھ آزار نہیں
--	--

(۳۴)

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو دیکھنا زلف و رخسار ہمیں ہر وقت کیا غضب کرتے ہو اور دیکھو شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو	غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو دیکھنا زلف و رخسار ہمیں ہر وقت کیا غضب کرتے ہو اور دیکھو شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو
---	---

(۹) مصحفی ۱۸۱۷ء (تجنیث)

شیخ غلام ہمدانی اروہد ضلع مراد آباد کے شیخ زادگان سے تھے عنوان شباب

(۳۵)

گے جو اُس کی نظر سے تو پھر کہاں کے ہوئے  
 نہ ہم نہیں کے ہوئے اور نہ آسماں کے ہوئے  
 نفس سے جھانک ہی لیوینگے گل کو ایک برس  
 جو رختے بند نہ دیوار گلستاں کے ہوئے  
 آج جائے شکر کہ ناکشتی پہ ہم سے لوگ  
 تری گلی میں سزاوار امتحاں کے ہوئے  
 عجب نہیں ہو کہ پیل کہ ہووے نشو و نما  
 کہ اس ہوا میں ہرے خارشیاں کے ہوئے  
 نظر سے ناقہ لیلیٰ یہ ہو گیا غایب  
 کہ لوگ ہر طرف آوارہ کارواں کے ہوئے  
 متاع حسن کے تو دے لگے جہاں دیکھے  
 ہم ایک بار خریدار اُس دکان کے ہوئے  
 ہزار شکر کہ ان گلرخوں کی مجلس میں  
 گئے جو ہم تو یہ شرمندہ برگ پاں کے ہوئے  
 گلی میں اُس کی جو ہم مر گئے تو بعد مرگ  
 سگ و ہما میں کئی حصے استخاں کے ہوئے

ابھی! کیوں رلاتے ہو مجھ کو تمہیں کیا یہی وضع ہے تو مجھے کھوئے گا ابھی جی میں ہر اب کہیں بیٹھ رہیے جنوں سے اگر آشنائی ہوئی تو	ہیں رحم آتا مری چشم تر پر ہڑے پھرے کا ہاتھ رکھ کمر پر بس اک باندھ لکیر کسی نہ گزر پر مطلوب کو دے مار تو مختصر یہ
---	---

کچھ اک صاف صاف ایسے لکھ شہر آشوب  
کہ وہ ماریں چشمک صفا سے گھر پر

(۳۷)

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ پاں سب پار بیٹھے ہیں  
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں  
یہ چھپرائی حکمت باد بہاری راہ لگ اپنی  
تجھے اٹھکھیلیاں سو جی ہیں ہم ہزار بیٹھے ہیں  
خیال اُن کا پرے ہے عرشِ اعظم سے کہیں قی  
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں  
بسانِ نقشِ پائے رہروان کوئے تمنا میں  
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کہیں لاچار بیٹھے ہیں  
یہ اپنی چال ہے اُقا دگی سے ان دھن پہروں  
نظر آیا جہاں پر سایہ دیوار بیٹھے ہیں

غول اور قافلوں میں کہہ تو کیونکہ انکشا  
کہ پہلے نے خود بخود - ورنہ کتاب اُلٹا

## ۱۱) نظیر ۳۳ - ۱۸۰۶ء

دلی محمد اکبر آبادی بزرگوں کا اصلی وطن شاہ جہان آباد تھا دہلی کی تباہی اور  
بربادی کے بعد اکبر آباد آئے اور مدھ تاج گنج کے قریب سکونت اختیار کی مہلی کا پیشہ کرتے  
تھے شاعری میں وہ کسی سے شاگرد نہ تھے ان کے کلام میں قدرت کے مناظر کی جھلک  
پائی جاتی ہے - ہندوستان کے میلوں ٹھیلوں، آزاد فقیروں کے عجوبوں پر مختلف جاس  
اور بے تکلف ٹولیدیں ہیں ان کی نظموں کو مزے لے لے کر پڑھا جاتا ہے روزمرہ کے  
محاورات ہر موقع محل کی اصطلاحات صاف اور سیدھی زبان میں کہتے تھے - یہ  
روایت بھی مشہور ہے کہ شاہ اودھ نے ان کو مقبول تنخواہ دینے کا وعدہ کیا تھا اور  
لکھنؤ بلا یا تھا مگر ڈھگرہ کے حدود سے باہر نہ نکلے - ۱۷ اگست ۱۸۰۶ء مطابق  
۲۶ صفر ۱۲۳۳ھ کو اگرہ میں انتقال کیا تاج گنج میں دفن ہوئے کلیات نظیر قدیم  
کے علاوہ اس کا ایک جدید ایڈیشن اعلیٰ پیمانہ پر نو لکچور پریس لکھنؤ نے شائع کیا  
ہے اور پروفیسر شرمہا نے ان کی مبسوط سوانح عمری جس میں کلام پر تنقید بھی کی گئی  
ہے زندگانی نے نظیر کے نام سے لکھی ہے جو مطبع مذکور میں چھپی ہے کلام کا انتخاب  
ہے - ۱

# بنجار کے نامہ

<p>تو آج کل کا ٹوٹا ہوا دل ات بجا کرتا رہ کیا گیا ہوا دل تو لڑا لڑا لڑا لڑا لڑا لڑا</p>	<p>ہاں میں ہوں جو چھوڑ دیا ہے میں نہیں چھوڑا کیا بدھیا ہے میں نے لڑا لڑا لڑا لڑا لڑا لڑا</p>
<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>	<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>
<p>اگر تو ہی ہو گئی بنجارا اور کبھی بھی تیری بھاری ہو کیا داکھ منہ سے نہ چھوڑے کیا کیسی لڑا لڑا لڑا لڑا</p>	<p>اگر تو ہی ہو گئی بنجارا اور کبھی بھی تیری بھاری ہو کیا داکھ منہ سے نہ چھوڑے کیا کیسی لڑا لڑا لڑا لڑا</p>
<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>	<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>
<p>یا سو بڑھا کر لاؤ بجا یا ٹوٹا گھٹا پاؤ گے گا دھن دولت نانی پونا کیا اک کنبہ کا منہ بجا</p>	<p>تو بدھیا لاکھ لاکھ جو پورے بچہ جاوے گا تو آج کل کا رستے میں جھپکا لارہ لارہ لارہ</p>
<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>	<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>
<p>نہروام درم کا بھانڈا ہو بندو پور بھانڈا پھر مانڈا ہو نہ بھانڈا ہو نہ ملو مانڈا</p>	<p>ہر نہر میں اب ساتھ کر کے جھانڈا ہو نہ بھانڈا جنت ایک تیرے گل گیا جو ملکوں ملکوں لٹا ہو</p>
<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>	<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>
<p>اک بدھیا تیری مٹی پرچہ گھاس چرنے پاوے گی وہی پوت جوانی بیٹا کیا بنجارن پاس آوے گی</p>	<p>جب چلتے چلتے رستے میں گون تیری ہلکا ہوگی کچھ پپ جو تیرے لادی ہو جنت میں جنت جاوے گی</p>
<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>	<p>سب ٹھاٹھ پڑا رہا جو بجا جب لا دھلیکا بنجارا</p>

سب ٹھاٹھ پڑا بچا ویکجا جب لا دچلیگا بچارا	
ہر آن نفع اور ٹوسے پہنچے تپھر تار بن بن کیا لو تندی باندھی فی دا کیا بند چلا تیل چلن	کہ غافل لپٹن ذرا سہ ساتھ لکاتیر دشمن کیا منہ سچا لک نہوات کیلکھنی باڑی پھل چین
سب ٹھاٹھ پڑا بچا ویکجا جب لا دچلیگا بچارا	
جب مرگ پھر کر چایک کو سیریل بد نکالنے کا ہو چلا کیلا گل میں تو خاک سجد کی پھالنے کا	کوئی نالچ سمیٹے کا تیرا کوئی گون سدا دروازے کا اُس جگہ پھر آہ نظر آتے کن کان نہ جھانکے کا
سب ٹھاٹھ پڑا بچا ویکجا جب لا دچلیگا بچارا	

## (۱۲) ناسخ ۳۸

شیخ امام بخش نام تھا اصلی وطن لاہور تھا فیض آباد میں تعلیم پائی تھئی فارسی کے ماہر تھے  
اردو زبان کی تلاش خراش اور بندشوں کی جستجو اور تعقیدات کا دور کرنا یہ سب ان کی ایجاد  
ہیں انھوں نے اردو شاعری کو نیا جامہ پہنا دیا تھا ان کے اعلیٰ ترین پایہ تحقیق اور ان کی  
استنادی مسلم ہو۔ انھوں نے اپنے کلام میں دیگر شعراء کی طرح مبالغہ اور شبہات سے بچاؤ  
کام لیا ہو لیکن اس کو اس طرح نبایا کہ اس سے کلام کا زور گھٹنے نہیں پایا یہ ان کی استنادی ہے۔  
وال ۱۶۰-۶۴-۶۵ برس کی عمر پاکر ۱۲۵۵ھ میں دنیا کو خیر باد کہی۔ کلیات ناسخ  
مطبوع خاص و عام ہو۔

نیام تیغِ قضاے میرم لقبِ ہر قاتل کی آستیں کا  
 یہ جوشِ ریاں ہر شک کا میم کہ ساتوں ریاہیں قطرے سے کم  
 جسے کہ کہتے ہیں سب جہنم بشر ہر اک آہِ آتشیں کا  
 بُرا ہو بد بخت عاشقی کا نہ دیں ہو برائیوں کسی کا  
 بنا ہر عشقِ بتاں میں ٹیکہ نشانِ بچہ مری جہیں کا

طبعِ ہر انصاف و دشتاں سے کہ اتنا فرما میں سب باں سے  
 کیا ہر ناسخ نے آسماں سے بلند تر رتبہ اس زمیں کا

### (۱۳) شہیدی منسلک

مشتی کر امتِ علی خاں ولد عبدالرسول خاں عروسی موضع دائرہ پر وہ ضلع اٹاک  
 کے باشندے تھے مشاعری میں مہجری اور نصیو دیوی کے شاعر تھے فقیرانہ لباس میں  
 عرصہ دراز تک سابرلی میں رہے تھے۔ اُن کا فنیہ و عاشقانہ کلام مستانہ رنگ میں ڈوبا  
 ہوا ہر دیوانِ طبع ہو چکا ہے شہیدؒ میں جس وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور  
 وضعہ مبارک کو دیکھا تو فطرتِ اشتیاق میں آپس کی روحِ نفسِ عنصری سے پرواز کر گئی  
 اور یہ شعر مقبول ہو گیا۔

تمنا ہے کہ وہ اگر تم سے روئے یہ جا بیٹھے  
 نفسِ جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ تنقید کا

الحمد للہ رب العالمین

کہ راتوں کو کوئی کرتا ہوا ماتم نکلتا ہے

## (۱۴) میرمنون

میر نظام الدین سید قمر الدین خاں منٹ دہلوی کے بیٹے اور شاگرد تھے انھوں نے اکبر شاہ ثانی کا عہد پایا تھا۔ ان کے دیوان میں اس بادشاہ کی مدح میں قصائد موجود ہیں ایک قصیدہ میں جو بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا تھا اپنے والد اور استاد کا ذکر اس طرح کیا ہے

ترے حضور میں پڑھتا ہوں شعر مننت کا  
کہ اس پہ ختم ہوئی طرزِ نکتہ پیراتی

اُردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے اور صاحبِ دیوان تھے ان کا اردو دیوان خوان کے قلم کا لکھا ہوا کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے آخر زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی ملازمت اختیار کر لی تھی اعمیر میں عہدہ صدر الصدوری پر مستاز تھے

۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۵ھ میں وفات پائی کلام کا نمونہ یہ ہے۔

## ۴۶ غزل

بار سے بڑی سماں اسی زمیں فاکل کہاں  
اس نے نہ بوجھا ایک ن جہاں وہ بیاباں

سرسبز تنخم و دوستی ہووے بغیر دل کہاں  
ماتم کھل کھلی بیسے پر زخم خالی دیکھ کہ



بھی لکھتے تھے ۱۶۱۷ء مطابق ۱۷۷۷ء میں انتقال کیا۔ کلیاتِ آتش جس میں دیوان  
ہیں ہر جگہ دستیاب ہوتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

### ۴۷ غزل

<p>ہشیار و ہی ہی کہ جو دیوانہ ہو اس کا بلبل کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہو اس کا جو سینہ کہ صد چاک ہوا شانہ ہو اس کا حالت کو کرے غمروہ یار نہ ہو اس کا قیمت جو دو عالم کی ہے بیجانہ ہو اس کا جائے سے جو باہر ہو وہ دیوانہ ہو اس کا</p>	<p>حسن پری اک جلوہ مستانہ ہو اس کا گل آنے ہیں ہستی میں عدم سے ہمت گزشت چشمِ نیم کہ حیراں ہوئی آئینہ ہو اس کی وہ یاد ہو اس کی کہ بھلائے دو جہاں کو یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے آوارگی نہ گشتِ گل۔ ہر یہ اشارہ</p>
---	---

شکرانہ ساقی ازل کرتا ہے آتش  
لبریز مئی شوق سے بیجانہ ہو اس کا

( ۴۸ )

<p>بجلی گئے کو بھی چکا تو باراں مانگوں تم سے مٹی بھی نہ اؤ گبر و مسلمان مانگوں بور یا چھوڑ کے کیا تختِ سلیمان مانگوں</p>	<p>خار و مطلوبت ہو تو گلستاں مانگوں خاک میں بھی جو ملوں میں۔ تو کسھی حرا میں باو شاہی سے فقیری کا ہی پایا بالا</p>
--	--

او جنوں پھر مجھے خوش آنے لگی عباتی  
 پھر بہا ر آئی ہوا خوش جنوں پھر مجھ کو  
 پھر ہوا شوق شہادت مجھے پھر ہو گیا شہید  
 پھر لگی لالہ رخوں سے مجھے الفت پہنے  
 پھر چلی گئی تراقہ دیکھ کے گلزاروں میں  
 پھر ترے قد کا خیال آنے لگا گلشن میں  
 پھر کسی آئینہ خسار سے الفت ہو گئی  
 چاہ پھر تیری جھنکے کی کنوئیں ایوسف  
 پھر لکھو گاتری رفتار کی خطائیں لیف  
 گھر میں دل پھر مرا گھرانے لگا آسے آپ  
 پھر ہوا عشق تھے ناوک مرگاں مجھے  
 یاد پھر یار کی تڑپاے کی بجلی کی طرح  
 پھر مرگنا لوں سے ہو جا بیگا محشر مر پا  
 پھر خوش آئی ہر مرد کو شب ماہ کی سیر  
 پھر ہوا خوش جنوں جاؤنگا پھر صحر کو  
 جھ سے پھر مرنے پہ خوش چشم کرینگے کاوش  
 پھر طبیعت مری آنے لگے اک کافر پر

پھر نہ دامن ہی رہی گانہ گریاں ہوگا  
 چاک پھر گل کی روش میرا گریاں ہوگا  
 پھر کلامیلا تہہ خیر برائے ہوگا  
 سبب پھر اعلیٰ سے مانند گلستاں ہوگا  
 پھر ہر اک سرو میں سرو چرخاں ہوگا  
 نخل ماتم مجھے پھر ہر گلستاں ہوگا  
 صورت آئینہ پھر دل مرا حیران ہوگا  
 پھر یہ دل شیفہ چاہ نہ تخت داں ہوگا  
 نامہ بر پھر مرا یہ کبکب خراماں ہوگا  
 ای جنوں پھر پھر کاغذ نہ زنداں ہوگا  
 پھر عرض دل کے مسینہ میں کیں ہوگا  
 ابر پھر ساتھ مرے راتوں کو گریاں ہوگا  
 چاک پھر صبح قیامت کا گریاں ہوگا  
 عشق پھر جانہ سے کھڑے کا دو چنایں ہوگا  
 پھر ہر اک آبیے میں خامیلاں ہوگا  
 سبزہ پھر قمر کا پامال غزالاں ہوگا  
 پھر نہ دل ہوگا نہ دیں ہوگا نہ ایاتیں ہوگا

<p>جو تھا سو اس کو دیکھ کے زار و نزار تھا ملنے سے جن کے معتقد رنگ عار تھا کیا ہو گئے وہ روز کہ پرہیزگار تھا یا اپنے سر پہ جواغ جنوں شعلہ بار تھا جتنا خیال پرش روز شمار تھا کس کی نگاہ لطف کا آمیدوار تھا باقی بقی گو کہ صنعت جیبا بھی بار تھا جتنی کہ سر میں گرد تھی دل میں غبار تھا عالم بدن کا ان کے عجب لالہ زار تھا</p>	<p>کل ایسے حال سے نظر آیا کہ کیا کہوں عبرت کی جاہ ان صنموں نے کیا خراب بیمار کرد یا تیب ہجرتاں نے آہ یا تو ہمیں ڈراتے تھے نور چشم سے اختر شمار تھی شبِ غم نے بھلا دیا ہر ایک کی طرف نگاہ نے کسانہ تھی ہمتنا سے اور ناز اٹھانے کی آرزو ہر دم ہوئے آہ سے اڑتی تھی منہ پر تھا زنجوں میں بسکہ مشک بھرا تھا کیا کہوں</p>
--	---

### (۵) غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
وہ جو لطف مجھ پہ تھا پیشتر وہ کہم کہ تھا مرے حال  
مجھے یاد ہو وہ دلاؤرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
وہ سننے لگے وہ شکایتیں وہ سحرے کی حکایتیں  
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ناک اندازہ صریدہ جانان کے  
 ناب نظر تہیں آئینہ کیا دیکھنے والوں  
 تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا لے  
 ہا صحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم  
 کہے زخمی مجھے نام ہوں مکین ہی نہیں  
 ایک ہم ہیں مجھے ایسے پشیمان کہ بس  
 ہم کھالیں گے سناو موج ہوا مل تیرا  
 صبر پارہی وشت کا پیر لگا کہ نہیں  
 منت حضرت عیسیٰ ندا ٹھائیں گے کبھی  
 تیرے دل تفتہ کی تربت پہ وعدہ چھوٹا ہر  
 غور سے دیکھتے ہیں طوفان آہوئے حرم  
 دل غل نخلیں گے تربت مری چولہ  
 چاک پر وہ سے یہ غم ہے ہر لعلی پڑھیں  
 پھر بہار آئی وہی وشت اور وہی ہوگی  
 سنگ لڑھا تھ وہی وہی ہر وداغ چوں

نیم بسمل کی ہونکے کی بیجاں ہونگے  
 اور بنجائیں گے تصویر جو جیلاں ہونگے  
 ہم توکل خواب عدم میں شجہ لائن گے  
 لاکھ نادان تھے کیا تجھ سے بھی نادان ہونگے  
 گردہ ہو گئے تونے وقت پشیمان ہونگے  
 ایک شہ میں کہ خنجر چاہ کے اسماں ہونگے  
 اس کی نفوس اگر مال پر لیشاں ہونگے  
 چارہ فراہمی بھی قیدی زنداں ہونگے  
 زندگی کے لیے شرمندہ احسان ہونگے  
 گل نہ ہونگے شرم آتش سوزاں ہونگے  
 کیا کہیں اس کے ساگ چہرے قربان گے  
 یہ وہ انکار نہیں خاک میں پہنائے گے  
 ایک میں کیا کہ سبھی جاگ گریاں لائے گے  
 پھر وہی پاؤں وہی خار مغیلاں لائے گے  
 وہی ہم ہونگے وہی شت بیاباں ہونگے

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن  
 آخری وقت میں کیا خاک سلمان ہونگے

## (۱۹) وزیرِ شہ

خواجہ محمد وزیر کھنوی خلف خواجہ محمد فقیر آپ خواجہ بہار الہی نقشبندی کی اولاد میں تھے حضرت ناسخ کے تلامذہ میں نامور تھے۔ کلام میں حسن و عشق کے ساتھ اخلاق اور تصوف کی چاشنی موجود ہے سب سے پہلے آپ کا دیوان شہ میں مطبع مصطفائی کھنوی نے چھاپا تھا اس کے بعد دوسری جگہ طبع ہوا عام طور پر بازاروں میں ملتا ہے۔ ذی قعدہ ۱۲۸۷ء میں وفات پائی۔ خواجہ صاحب کی یہ غزل نہایت خوبصورت ہے۔

### ۵۴ غزل

چلا ہوا دلِ احتِ طلب کیا شادمانی کر  
اسی باعث تو قتلِ عشقاں کو منع کرتے تھے  
کیا غیروں کو قتلِ عشق ہوئے ہم نسا کے بارے  
بناوٹنے بگاڑا باتیں سنو میں خموشی نے  
وہ پہا سا ہون لگا کر تیرے آئین نے جب بھی  
ادا سے جھکے ملتے ہو نہ تھے قتل کرتے ہو  
جو انبیاؑ نہ کیا لایا تین بیجاں میں جالائی

زمین کوئے جاناں رنج دیگی آسماں ہو کر  
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کاروائی کر  
اہل بھی دستِ علیٰ نصیبِ شہناں ہو کر  
نہ پوچھو ہم نے کیا ہی منہ کی کھائی پیرائی کر  
خل لائی وہاں زخم سے سوکھی زباں ہو کر  
ستم ایجاد ہو ناوک لگاتے ہو کسان کر  
کیا یوں سے کہو تو اس آباغ جان کر

## (۵۵) غزل

کسی بیکس کو ای پیداو گر مارا تو کیا مارا  
 نہ مارا آپ کو جو خاک ہوا کسیرن جاتا  
 بڑے مودی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا  
 خطا تو دل کی تھی قابل بہت سی اٹھانے کی  
 نہیں ہوں کا سچا ہمیشہ قول دے دے کر  
 گفت و نہیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے  
 ہنسی کے ساتھ ہاں و نا ہاں مثل قفل بینا  
 مرے آنسو ہمیشہ ہیں بزمِ لعل غرقِ خون  
 جگر و دل دونوں پہلوں پر این خمیاس کیا جانتے  
 دل سنگین سر پہ بھی ضرب کی کہن پہنچا  
 گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کر نہیں

جو آپ ہی مر رہا ہوں اس کو گر مارا تو کیا مارا  
 اگر پارے کو ای اکسیر گر مارا تو کیا مارا  
 نہنگ اٹھاؤ شیر ز مارا تو کیا مارا  
 تری زلفوں نے مشکین باندہ کر مارا تو کیا مارا  
 جو اس تے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا  
 الہی پھر جو دل پرتاک کر مارا تو کیا مارا  
 کسی نے قہر تھا کی بے خبر مارا تو کیا مارا  
 جو غوطہ آئیں تو نے گہر مارا تو کیا مارا  
 ادھر مارا تو کیا مارا اُدھر مارا تو کیا مارا  
 اگر تیشہ سر گہسا رہا مارا تو کیا مارا  
 اگر لاکھوں برس سچا میں سہلا تو کیا مارا

دل بدخواہ میں تھا مارا یا چشم بدبین میں  
 فلک پر خوف تیرا گر مارا تو کیا مارا

جوں شمعِ ثواب سر ہی کے بل جاے تو چھا	
--------------------------------------	--

(۵۷)

لائی حیاتِ آے قضا لے چلی چلے ہم سا بھی اب بساطِ کیم ہو گا قمار بہتر تو ہی ہے کہ نہ دنیا سے دل لگے ہو عمرِ خضر بھی تو ہو معلوم وقت لگ	اپنی خوشی نہ آسے نہ اپنی خوشی چلے جو چال ہم چلے وہ بہت ہی بُری چلے پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے
---	---

(۵۸)

کیا غرض لاکھ فدائی ہیں میں دولتِ الے چاہیں گر چہ جہاں جنت کا محبتِ الے گئے جنت میں اگر سوزِ محبتِ الے ساقیا ہوں جو صبرِ جی کی نہ عادتِ الے رہے جوں شہیدِ ساعیہ نہ کہہ دوں کس عرض کی ہیں وہاں چار بخش ترے حرص کی پھیلے ہو، پاؤں نہ ہوتا ہاسے سے حسرتِ دیدارِ جی نہ کہہ دوں	اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں مجرب الے بیچین الماس و نیک سنگِ جنت الے تو یہ جانور ہے دو رخِ یزدانِ جنت الے صبحِ محشر کو بھی اٹھیں ترے توالے بھی با بھی گئے، دل جو کہہ دتا الے چاہا بل نہیں تے، آوازِ جنتِ الے تنگا یہی بہتے ہیں، این اغذنت الے لکھتے ہیں ہاسے، یہ کہتا ہوتا الے
--	--

ای صبا جذبِ چسپ دم دل نانا د آیا دل میں اک ورد اٹھا اٹھول میں بھر لے بن گیا خالِ جبین کو کلبِ بختِ نور شیدا	میرے آغوش میں اڑ کر وہ پرئی ادا آیا بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیے کیا یاد آیا کس ترقی پہ ترا حسنِ خدا داد آیا
---	--

( ۵۹ )

شو جس کا ہر وہ عشق جنوں دل میں بات بھی آپکے آگے نہ زبان سے نکلی عرصہ حشر میں ہو گا گزیری کا عالم چھا گیا یچھے بڑھک چن ہستی پر	بدیع گیا ہر نیکینِ حسن کا سودا دل میں لیجیے آسے تھے ہم سوچ کے کیا کیا دل میں لے نہ جانا کہیں دُنیا کا بکھیرا دل میں نخلِ الفت کا لگا پا تھا ذرا ساد دل میں
--	---

ای صبا جس کے لیے ہوں میں پیشاں خاطر  
جانتا ہر وہ مجھے گیسوؤں والا دل میں

( ۶۰ )

مفتنم ہی باغِ عالم کی ہوا دو چاؤن سبز خط کا مسو ہی چاند سے رخسار پر	صورتِ گل ہی یہاں نشوونما دو چاؤن اور رخ پر چھوٹ تو زلفِ دوتا دو چاؤن
--	---



انتقال کیا۔ دیوان ہر جگہ ملتا ہے یہ غزل زبانِ نوح خاص و عام ہے۔

### (۶۱) غزل

کھلی ہو گنجِ قفس میں مرغی یاں صیاد  
اُجاڑا موسم گل ہی میں آستیاں میرا  
اُداس دیکھ کے مجھ کو چین دکھاتا ہے  
دکھا با گنجِ قفس مجھ کو آب و دانہ نے  
پروں کو کھول کے ظالم جو بند کرتا ہے  
الہی دیکھئے کیونکر نیا ہوتا ہے  
رہے نہ قابلِ پرواز بال و پر میرے  
قفس پہ رکھنے لگا اتنا ہار چھوڑوں کے

میں ماجرے چین کیا کروں یاں صیاد  
الہی ٹوٹا پڑے تجھ پہ آسماں صیاد  
کسی برس میں ہوا ہے فرا جہاں صیاد  
وگرنہ دام کہاں ہیں کہاں۔ کہاں صیاد  
قفس کی لیکے میں اُڑ جاؤنگا کہاں صیاد  
زباں و دانہ ہوں میں اور بند زباں صیاد  
قفس سے اڑ کے میں جاناؤنگا کہاں صیاد  
ہزار شکر ہوا مجھ پہ مہرباں صیاد

فریب دانہ نہ کھاتا میں زینہارا زرد  
نہ کرتا دام اگر خاک میں نہاں صیاد

### (۶۲)

جو پرانے ٹولے کبھی شیدا تیرا  
سب سے بیگانہ ہوا ہے دوست شناسا تیرا

ان کا تذکرہ تذکرۃ آفتاب عالم تاب مایاب ہی۔ آپ کا یہ قطعہ نہایت مشہور ہے

(۶۳) قطعہ

<p>دکھلا کے باغِ سبز عذاب و ثواب کا معلوم ہو گا حشر کو پینا شراب کا پر کیا کریں کہ ہو بھی عالم شباب کا کیجے جو آپ مجھ کو نہ موردِ عتاب کا اور ہو یقین آپ کے اس عتاب کا اور داں کوئی غلّ نہ ہو باعثِ حجاب کا وے ذائقہ زباں کو دہن کے لعاب کا یہ لیشِ جنّ جلوه ہو رنگِ خضاب کا گر پی نہ جائے جلد یہ ساغرِ شراب کا گر کچھ بھی خوف کیجئے روزِ حساب کا</p>	<p>کل بن کے شیخ مجتہدِ عصرِ قیا کہنے لگا زراہِ شیختر مجھے بہ طنز ہم نے کہا کہ یہ تو ہیں ہم خوب جانتے گستاخی ہو معاف تو اک عرضِ کچوں تقویٰ ہمارے آگے ہو جب آپکا دہشت میں ہو دے کچ باغِ ہوساقی ہو ماہوش گر دل میں ہاتھ ڈال کے شیخ بے حجاب کھینچے منسی سے پنا ملا کرو منہ سے منہ منت سے یوں کہے کہ ہمارا ہو پیچے اُس وقت ہم سلام کریں قبلِ آپ کو</p>
---	---

اور امتحانِ بغیر تو یہ آپ کا قلام  
فائل نہیں ہے بلکہ کسی شیخ و شاب کا

(۶۴)

عجب شب کی نیمیر خراب آباد ہستی ہے | کہ پستی یاں بلندی ہے بلندی کی پستی ہے

ظہیر آپ ہی۔ یہ کہنا ذرا بھی بیجا نہیں کہ آپ نے اردو زبان میں اس کتاب کے لکھ کر سب سے پہلے ڈرامے کی بنیاد ڈالی ہو اور دو متقدمین میں اس نمونہ کی ایک کاسٹ فلم بھی انہیں ملتی حضرت امانت نے ہرجادی الاولیٰ مشتمل ۱۰ کو فائنٹ پائی دیوان طبع ہو چکا ہے۔

### (۶۵) غزل

بھولا ہوں میں عالم کو سزا سے کہتے ہیں  
دل پس گئے عالم کئے قمار سے کہتے ہیں  
آئینے کو جہرت ہو رخصتا سے کہتے ہیں  
تبسیم سے کہتے ہیں نہ ناس سے کہتے ہیں  
مونس سے کہتے ہیں غمخوار سے کہتے ہیں  
غم کروئے سبغالی میخوار سے کہتے ہیں  
دل بھر کر شب غش ہو بیدار ہونچم اپنی  
اک قطرہ نہیں ہو کا میخانہ میں ای ساقی  
اک سٹنڈ الفٹ میں نہن ہو ہزاروں کی  
کے تصور کو سکتہ ہو کہتے ہیں اسے نقشہ  
نئے شب زمرقت میں کیا ساتھ دیا میرا  
نمے ہوش سے کہتے ہیں شہباز سے کہتے ہیں

خاموش امانت ہو کچھ آفات بھی نہیں کرتا  
کیا کیا نہیں ای پیارے اغیار سے کہتے ہیں

<p>             پر آب وہ چشمِ حوض پائی              کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے              جھنجھلائی کہ کون دے گیا گل              ہے مجھے خار دے گیا کون              بو ہو کے تو پھول اڑا نہیں ہے              سوین تو بتا کہ ہر گیا گل              شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا              بیگانہ تھا سبز کے سوا کون              اوپر کا تھا کون آستے والا              جس گھر میں ہو گل چراغ ہو بجے              غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا              مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل              خوشبو ہی سنگھا۔ تیا نہ بتلا              گل تو ہی ہلک بتا کہ ہر ہے           </p>	<p>             منہ دھوئے جو آنکھ ملتی آئی              دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے              گھبرائی کہ ہیں؟ کہہ گیا گل              ہے مرا پھول لے گیا کون              ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے              نرگس تو دکھا کہ ہر گیا گل              سنبل مرا تازیانہ لانا              انہوں میں سے پھول لے گیا کون              شبنم کے سوا پرنے والا              جس کف میں وہ گل ہوا غ ہو جاے              گلپیں کا جو اسے ہاتھ ٹوٹا              او خار پڑا نہ تیرا چنگل              او باد صبا ہوا نہ بتلا              بلب تو چہک اگر خبر ہے           </p>
---	--

(۲۶) طرفہ ۱۸۶۲

مختصر راج الدین نام خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ تھے ولی عہدی میں

جہاں سنان بجل ہوا شہر غداں ہو	کبھی کیا کیا نہ ہنگامے تھے یہاں بشور و تیراں
جہاں خاک پر نقش ہوا ستارے	کبھی غمناکشا دیدہ الٰہی نظریاں تھے

ظفر اس سال عالم کا کبھی کچھ ہو کبھی کچھ ہو  
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشیاں

(۶۸)

یا مجھے افسر شاہ نہ بنایا ہوتا	یا مرا تاج گدایا نہ بنایا ہوتا
اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو لے	کیوں خردمند بنایا۔ نہ بنایا ہوتا
خاکساری کے لیے گرچہ بنایا تھا مجھے	کاش خاکِ درجہا نہ بنایا ہوتا
نشہ عشق کا گرفت دیا تھا مجھ کو	عمر کا تنگ نہ پہچانے بنایا ہوتا
دلِ صدمہ چاک بنایا تو بلا سے لیکن	زلفِ مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا
صد فیوں کے جو نہ تھا لایق صحبت تو مجھے	قابلِ جلسہ رندانہ بنایا ہوتا
تھا جانا ہی اگر دوری ساقی سے مجھے	تو چراغِ دریا نہ بنایا ہوتا
شعلہ حُسنِ چین میں نہ دکھایا اس نے	ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

روزِ مہمورہ دنیا میں خرابی ہر ظفر  
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا وہ جو پردہ سایہ میں تھانہ رہا  
 رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشین کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا  
 نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیش بہر  
 پڑی اپنی بُرائیوں پر چون نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا  
 ترے رخ کے خیال میں کون سے دن اٹھے مجھ پہ نہ فتنہ رفتہ رفتہ  
 تری زلف کے دھیان میں کونسی شب سر پہ ہجوم بلا نہ رہا  
 ہمیں سا غروبادہ کے دینے میں کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب  
 کہ یہ عید نشاط یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا  
 کئی روز میں آج وہ مہر لقا ہوا میرے جو سامنے جلوہ نما  
 مجھے صبر و قرار نہ رہا اُسے پاس حجاب و حیا نہ رہا  
 ترے خنجر و تیغ کی آب رواں ہوئی جبکہ سبیل ستم زدگان  
 گئے کتنے ہی قافلہ خشک زبان کوئی لٹنہ اب بٹانہ نہ رہا  
 مجھے صاف بتائے نگار اگر تو پہ پوچھوں میں رو رو کے خون جگر  
 ملے پانوں سے کس کے ہیں دیدہ تر کف پا پہ جو رنگ حنائی نہ رہا  
 اسے چاہا تھا میں نے کہ رو کہ رو کہوں مری جاں بھی جا تو جائے دون

<p>بلائی ہو جیست سے بہا اور جیست سے          بہا را آئی جھلکے سرگوشے کیست سے          بشکل مرغ سیل اور برسی جاتی ہو تپانی          وہ مرمت سی دعا کو مطلقیت اب نہیں ہے</p>	<p>کچھ دامن خالی کو قصد روح نکلیں کا          پڑا ہو گردن ہر شاخ تر ہیں ہاتھ نکلیں کا          دل مضطرب وطنہ ہو گیا ہو نام نکلیں کا          کہ رسول قافلہ صوفیہ اکہا فریاد آیں کا</p>
--	--

نسیم اب قدروانی اشتیاق سامعین پر ہر  
 دکھا یا لطف ہم نے ہر طرح سے طبع نکلیں کا

( ۴۲ )

<p>فصل گل آئی ہو گل ادہی سامان ہو گئے          سب یہ کا فر چسپینوں کی نہ تھی اور دل          شکر ہو جا گئے انجام کو اپنے شکوے          کھینچے تیغ تال ہو یہ کیوں لسم لسم          کس طرح جا گئے مانع ہو ہمیں غم مزاج          شوخیاں کیسے جنوں آج یہاں پر گل ہم          گر یہ انعام تقسیم ہو نہ ہمیں او غافل          یاد آئیگا پس مرگ ہمارا یہ کمال</p>	<p>میرے دامن میں تو دوست و گریباں ہو گئے          چاروں بعد یہی دشمن ایماں ہو گئے          پہنچ کے خوف سے ہم ان کے ثنا خواں ہو گئے          سرچھکا دینگے جو یاں بندہ احسان ہو گئے          زلف پر خرم ہو تو کچھ وہ بھی پریشاں ہو گئے          خاک اڑائے گی زمین تیرے یہ دیراں ہو گئے          خوش رو دینگے وہی زخم جو خنداں ہو گئے          حال گل جائیگا جیسا کہ پہنچاں ہو گئے</p>
---	---

شبلی نے ان کے انتقال سے کم و بیش سو سال کی مدت کے بعد ہمارے زمانہ میں سوانہ نہیں دیا۔ وہ ہرگز کسی حد تک کوئی شاعری کی اس خاص صنف میں ان دونوں شاعروں میں سے کسی کا پایہ اونچا تھا تانہ کر دیا تھا اور انیس کے جن میں فیصلہ دینا کھولے ان اعتراضات کو جو استلخ نے "طوارا غلط" میں دیر کے کلام پر کیے ہیں ایک حد تک "تاہد کی تھی لیکن مولوی زیچسن مہاراجی نے الہ آباد شائع کردہ ان دونوں اکالوں کی بابت اسی منصفانہ رائے کا اظہار کیا ہے جو ہم نے قلم کی ہے۔ مرانی انیس کا چھوٹا چار جلدوں میں نو لکھنؤ پر پیں لکھنؤ نے عرصہ ہوا شائع کر دیا تھا لیکن مال میں نئی ترتیب اور تصحیح کے ساتھ مولانا علی حیدر صاحب طباطبائی نے مرانی انیس کو پانچ جلدوں میں مرتب کیا ہے جس کی پہلی جلد جس میں میر صاحب کی آخری عمر کا کلام ہر نظامی پریس بدایوں سے شائع ہو چکی ہے۔ ۲۹۔ شوال ۱۳۳۸ مطابق ۱۳۷۰ کو میر صاحب نے انتقال کیا۔ ۶۴ برس کی عمر پائی کلام یہ ہے

## ص (۴۳)

چلنا وہ باو۔ صبح کے تھوڑے گھنٹوں کا دم دم	مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہروں موجوں کا بیج و خم	سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
گیا کھا کے اوس اور بھی سبز ہوا	
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا	
وہ صبح اور وہ چھاؤں اس کی مدد را	دیکھو تو غش کرے اپنی گوسے اوج طوار



ماہی جو موج سینخ تنک آئی کباب بھی		
تلاوار		
بے پادشہ مرا تھ سے چلتی ہوئی آئی	ندی دھڑکن کی اُلتی ہوئی آئی	
دم بھر میں ہسونگ بدلتی ہوئی آئی	ہنی پی کے ہول اگلتی ہوئی آئی	
ہیرا کھنا بدن رنگ مرد سے ہر اکتھا		
جو ہر جو کہو ہیٹ جو اہر سے بھرا کھتا		
پہونچی جو سپرنگ تو کلائی کو نہ چھوڑا	ہر اکتھا میں بت کسی کھائی کو نہ چھوڑا	
شونخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا	تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا	
احضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب		
یقینی سنی ہاں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے		
مسافرت		
دکھ دیتے ہیں اکہا کیف مہ پانک کے چھائے	منزل پہنچنے کے بھی پڑ جائیں لالے	
اتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹوں کو نکالے	ڈر ہو کہ نہ بڑھ جائیں کیس قافلے والے	
درماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی		
تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی		

یہ ہو وہ عصا پیر خواں ہوتا ہو جس سے	یہ ہو وہ نگین نام و نشان ہوتا ہو جس سے
وہ شمع ہو پر نور مکان ہوتا ہو جس سے	وہ در ہو قوی رشتہ جاں ہوتا ہو جس سے
کھوئے نہیں یہ مال - زر و مال کے بدلے	موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے
صلوئی سی شوکت سی اجلاں سی ہو	ثروت سی حشمت سی اقبال سی ہو
سرمایہ سی نقد سی مال سی ہو	گوہر سی قوت سی لال سی ہو
دلین ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہو	کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہو
ہاں باب کی آسائش و راحت ہو پس سے	انہی میں بھی جبین کی حلاوت ہو پس سے
خوں ہم میں آنکھوں میں بصارت ہو پس سے	ایا صغیفی میں بھی طاقت ہو پس سے
آرام و جگر قوت دل و راحت جاں ہو	چہری میں یہ طاقت کہ فرزند خواں ہو
وہ شہ ہو خوشی و رہ پہ کھڑی رہتی ہو جس سے	وہ چین ہو راحت کی گھڑی رہتی ہو جس سے
وہ لال ہو امید بڑی رہتی ہو جس سے	وہ در ہو یہ در جان لڑی رہتی ہو جس سے
آرام و جگر تاب و لواں ساتھ ہو جس سے	پھر تار ہو جدھر رشتہ جاں ساتھ ہو جس سے

## (۲۹) ناظم ۱۸۶۵ء

نواب محمد یوسف علی خاں فردوس مکان خلف نواب محمد سعید خاں بہادر والی  
رام پور۔ آپ ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ کو سند نشین ہوئے نواب صاحب مرحوم علوم  
عقلیہ کے باہر منطق و فلسفہ سے باخبر تھے طبیعت کو شاعری سے خاص طور پر میناسبت  
تھی۔ پہلے حکیم مودن خاں مودن دہلوی سے مشورہ سخن رکھتے تھے اس کے بعد میر تقی  
کے شاگرد دہو گئے اسی زمانہ میں عاشقانہ دیوان مرتب ہو کر مطبع حسنی رام پور میں  
طبع ہوا تھا۔ ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء مطابق ۲۷ رزی ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی  
انتخاب کلام یہ ہے

## دنیا کی بے ثباتی

کیا ہوا سر و قدروں؟ اب وہ تمھارا نعم و چم  
کیا ہوا لالہ رخوں؟ اب وہ تمھارا عالم  
کہو کیوں پھوٹ گئی مشق جفا کا ری کی  
کہو کیوں ٹوٹ گیا سلسلہ جور و ستم  
کھینچتے کیوں نہیں اب میان سے تم خنجر ناز  
دیکھتے کیوں نہیں اب تیغ ادا کا دم خم

ہے وہ گیسوے پُرتیج کا ہو نا پُر خم  
 ہے وہ فتنہ جگانے کی روش سے چلنا  
 ہے وہ چھا گلے پہنے ہوئے پھر نا چھم چھم  
 وا دریا نہ رہی ایک بھی صورت باقی  
 بہر عبرت ہر زبانوں پہ حکایت باقی

### (۳۰) رشکِ شاہ

میر علی اوسط - خلف پیر سلیمان - آپ فیض آباد کے باشندے تھے شاعری  
 میں حضرت ناسخ لکھنوی کے ارشاد تلامذہ سے تھے - خاورات کی چھان بین الفاظ  
 لائق تہنات کا شوق تھا - چننے گو اور تحقیق مشہور ہیں - ناسخ گوئی میں بھی مہارت بہم  
 ۱۰۰ نمایاں تھی - صاحب دیوان تھے - اب دیوان کیباب جز ۱۸۵۲ء میں ۱۰ سال  
 اخیر پکرا انتقال کیا - کلام ہے -

### (۸۰) غزل

لو رخ نوشتہ بین کیونکر نہ ملے گا  
 جس است نقاب اس کیلئے الٹ دی  
 لکھو اس کے نامہ تو کیونکر نہ ملے گا  
 تاروں کو نشانِ مسافر نہ ملے گا

اور پُر لطف شعر کہتے تھے مشعلہ میں رعلت فرمائی۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

### ۸۱۶ غزل

یہ کہہ کے رخنہ ڈلیے ان کجباب ہیں  
یا رب نے خواب حق میں مے خواب گئے  
حال ہیں نگہ کا اس کس لڑا میں کیا کہوں  
یا رب یہ کس نے پہرے سے الٹا نقاب ہے  
خورشید پار ہو و زمین سے چھٹکے سا  
کیا عقل غتسب کی کہ لایا ہے کھینچ کر  
اٹھنے میں صبح کے یہ کہاں سر گنیاں  
تحقیق ہو تو جانوں کہ میں کیا ہوں قیاس کیا  
ہر ہر روئیں سے خرقے کے میری ہر خنکال  
میں اور ذوقِ بادہ نشی؟ لیکن میں مجھے  
امدادِ جہنم کیا ہو گے دل کو آگ جو  
میں و توں منٹل شیشہ پہاں شدست

اچھے بُرے کا حال کھلے کیا نقاب میں  
اے وہ مستِ غم اب اگر میرے خواب میں  
مضمیف چھینس گئی جاشہد ناب میں  
تو رخنے اب بٹکنے لگے آفتاب میں  
سٹوا نقاب ہیں ترے گرد نقاب میں  
سودا زردوں کو علمہ احتساب میں  
زراہنے کو کا جلوہ یہ دیکھا ہے خواب میں  
لکھا ہوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں  
خوٹے تلوہ دینے سے زہم کے آب میں  
یہ کم ہنگامیاں تری بزمِ شراب میں  
جلنے کے بعد غم نہیں ہوتا کباب میں  
جیسا ہے میرے دل میں نہیں ہے جواب میں

یہ عمر اور عشق ہے آئندہ جائے شرم  
حضرت یہ باتیں کھیتی تھیں عہد شباب میں

میرزا کا کلام آج کل کے مہم یافتہ گروہ میں نہایت دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ وہ اخلاقی اور فلسفی مسائل سے بھرا ہوا ہے اور ان کے تحلیل میں وہ جدت پائی جاتی ہے۔ جو بھی پرانی ہونے کی نہیں۔ غالب کی طبیعت کو بعض لوگ دشوار پسند کہتے ہیں لیکن جہاں انہیں بھولنے سے سلامت کو برتا ہے روانی کے دریا بہا دیئے ہیں اور وہ زبان پر میرزا کا یہ برا احسان ہے کہ نثر میں مرسلے کو مکالمہ بنا کر خطوط نویسی کی ایک جدید طرزِ عملی اور نظم میں ایسے اسلوب بیان کا نمونہ چھوڑا کہ ان کے نقش قدم پر چل کر موجودہ زمانہ کی نئے تعلیم یافتہ شعرا کو قدرت کے نقش و نگار سیاسی حالات فلسفی مسائل وغیرہ کا نظم کے ذریعہ سے ظاہر کرنا آسان ہو گیا۔ غالب کے حالات اور سوانح میں مولانا حالی کی بسوط تصنیف یا دیگر غالب موجود ہے۔

### (۸۳) غزل

یہ قیمتی ہمارے صحت وصال یار ہوتا  
تسے وعدہ پر جیسے ہم تو یہ جان بھوٹ جاتا  
تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عبد بودا  
گوئی میر سے دل سے پوچھتے تیر نیم کش کو  
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں ست نامح  
رگ سنگ سے ٹکنا وہ لہو کہ پھرنے ٹھٹھٹا  
غم اگر چہ جاں گسل ہے کہ کہاں پھر دلی ہے

اگر اور جیسے رہتے ہی انتظار ہوتا  
کہ خوشی سے مرتہ جاتے اگر اعتبار ہوتا  
کبھی تو نہ توڑ سکتا۔ اگر استوار ہوتا  
خیش کہاں کہاس ہوتی۔ جو جگر کے پار ہوتا  
کوئی چارہ سا نہ ہوتا۔ کوئی ٹنگسا ہوتا  
جسے غم سمجھ رہے ہو۔ یہ جگر شہر ہوتا  
غم عشق گر نہ ہوتا۔ غم روزگار ہوتا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ	مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا
-------------------------------	-------------------------------

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟  
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں ہا جانا ہوں داغِ حسرت ہستی بے پستے مرنے کی احوال اور ہی تدبیر کر کے میں بروزِ کوشش بہت۔ ویر آئینہ باز ہی گوئیں ہمارے تہمت ہے روزگار دل سے پہا کشتِ فایمٹ گئی کہ واں	جس دل پہ ناز تھا مجھے۔ وہ دل نہیں ہا ہوں شمعِ کشتہ۔ درخوردِ محفل نہیں ہا نمایان دستِ بازو سے قاتل نہیں رہا یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا لیکن تیرے خیال سے فاقل نہیں رہا حاصلِ سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا
--	--

بے واؤ عشق سے نہیں ڈرتا۔ مگر  
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

از تہا ہر مراد دلِ رحمتِ مہر و نشان پر	میں ہوں قسطِ شبنم کہ ہر خارِ بیا باں
--	--------------------------------------

غزوة اوج بنائے عالم امرکاں نہ ہو قرض کی پیٹتے تھے دیہکن سمجھتے تھے کہ ہاں نغمہ ہائے غم کو بھی ردِ دل غنیمت جانے	اس بندی کے لیے سیول ہیں ہستی ایک دن رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن نئے صدا ہو جائے گا یہ ساڑھی ایک دن
---	---

دھول دھپا اُس سر اپنا زکا شہوہ نہیں ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب شہنشاہی ایک دن	
---	--

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں  
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہاں ہو گئیں  
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ ہر دم آرائیاں  
 لیکن انقباض و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں  
 تجھیں بنات النش گردوں دن کو پروں میں نہاں  
 شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں  
 قید میں۔ بقیہ سنے لی گو۔ نہ یوسف کی خبر  
 لیکن آنکھیں۔ روزن دیوار زنداں ہو گئیں  
 سب قید ہوتے ہوں ناخوش۔ یہ زمانہ ہم سے



ہم موحد ہیں۔ ہمارا کیش ہو ترک رسوم  
 ملتیں جب مٹ گئیں اجڑے ایماں ہو گئیں  
 رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہو رنج  
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں  
 یوں ہی گر روتا رہا غالب تو ادا اہل جہاں  
 دیکھنا ان بستیوں کو تم۔ کہ ویراں ہو گئیں

۹۰

دل ہی تو ہو۔ نہ سنگ و شست۔ درد سے بھر نہ آئے کیوں  
 رو میں گئے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستے کیوں  
 دیر نہیں احرم نہیں، در نہیں آستاں نہیں  
 بیٹھے ہیں رہ گزر رہا ہم۔ غیر ہمیں اٹھائے کیوں  
 جب وہ جمالِ دل فروز۔ صورتِ مہر نیم روز  
 آپ ہی ہو نظارہ سوز۔ پردے میں منہ چھپا کیوں  
 دشمنہ غمزہ۔ جاں ستاں۔ ناوکِ ناز نے پناہ  
 تیرا ہی عکس رنج سہی۔ سانسے تیرے آئے کیوں  
 قیدِ حیات و بند غم۔ اصل میں دونوں ایک ہیں

”غیر سے رات کیا بنی۔“ یہ جو کہا۔ تو دیکھیے  
 سامنے آن بیٹھنا۔ اور یہ دیکھنا۔ کہ یوں  
 بزم میں اُس کے رو بہ رو۔ کیوں نہ خموش بیٹھئے  
 اُس کی تو خاموشی میں بھی۔ ہر یہی مدعا کہ یوں  
 میں نے کہا کہ ”بزم ناز چاہیے غیر سے۔“ ہی  
 سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں  
 مجھ سے کہا جو یار نے۔ جاتے ہیں ہوش کس طرح  
 دیکھ کے میری بخود سی چلنے لگی ہوا کہ یوں  
 کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی  
 آئینہ وار بن گئی۔ حیرت نقش پا۔ کہ یوں  
 گرتے دل میں ہو خیال۔ صِل میں شوق کا زوال  
 ”ہج حبیطِ آب میں۔ مار سے ہر دست و پا کہ یوں  
 جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشک فارسی  
 گشتِ خال لب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

لاکھوں لگاؤ ایک چٹرا ناٹکا کا  
 لاکھوں بنا و ایک بگڑنا عتاب میں  
 وہ نالہ ! دل میں جس کے برابر جگہ نہ پا  
 جس نالے سے شکاف پڑے آفتاب میں  
 وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے  
 جن سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں  
 غالب۔ چھٹی شراب۔ پر اب بھی کبھی کبھی  
 پتیا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہِ تاب میں

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے۔ یہ خوش ہا  
 یاں آپڑی یہ شرم کہ ٹکرا کر کیا کریں  
 تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے  
 تیرا پستانہ پائیں۔ تو ناچار۔ کیا کریں؟  
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ۔ اہل بزم  
 ہو غم ہی جاں گداز تو غم توار کیا کریں؟

خوشا اقبالِ رنجوری عیاں کو جو تم آئے یہ طوفانِ گاہِ جوشِ خطرِ شامِ تنہائی ابھی آتی ہی ہو بالمش سے اُس کی لٹٹکیں کی	فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہو شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تا رِ بستر ہو ہماری دید کو خوابِ لیٹا۔ عارِ بستر ہو
--	--

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہو چہرِ یارِ عیالِ  
کہ بیٹائی سے ہر اک تا رِ بسترِ خارِ بستر ہو

کبھی کی بھی اُس کے جی میں آجائے ہو مجھ سے خدا یا جذبہٴ دل کی۔ مگر تاثیرِ الٰہی ہو وہ بدخوا اور میری دوستانِ عشقِ طولانی اور دھروہ بگمائی ہو۔ ادھر یہ ناتوانی ہو سنہلنے دے مجھ اِن امید کی قیامت ہو تکلفِ بر طرفِ نظام میں بھی ہی لیکن ہو پس پاؤں ہی پہلے نہرِ عشقِ میں خنی	جھائیں کے اپنی یادِ شرمِ جاے ہو مجھ سے کہ جتنا کھینچتا ہوں وہ کھینچتا جاے ہو مجھ سے عبارتِ مختصرِ فاصد بھی گھبرا جائے ہو مجھ سے نہ پوچھا جاے اُس سے نہ بولا جاے ہو مجھ سے کہ داماںِ خیالِ یارِ چھوٹا جاے ہو مجھ سے وہ دیکھا جائے کہتِ ظلمِ دیکھا جاے ہو مجھ سے نہ بھاگا جائے ہو مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہو مجھ سے
--	--

قیامت ہو کہ ہو مدعی کا ہم سفرِ غالب  
وہ کا فر۔ جو خدا کو بھی نہ سونپا جاے ہو مجھ سے

غلط کدے میں سیئے شب غم کا جوش ہو نے نژدہ وصال نہ نظر اُجھال کونے کیا ہو جس خود آرا کو بے حجاب گوہر کو عقد گردنِ خواباں میں دیکھنا ویدار بادہ حوصلہ ساقی - نگاہ مست	اک شمع ہو لیلِ سحر و خموش مذرت ہوئی کہ آشتی چشمِ دگوش لے شوق - یاں اجازتِ تسلیم پیش ہو کیا اب پرستارہ گوہر فروش بزم خیال - نو کدہ بے خروش ہو
--	--

## قطع

اسے تازہ و روانِ بساطِ ہولے دل دیکھو کچھ بے دیدہ عبرت نگاہ ہو ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی پائشِ کونو دیکھتے تھے کہ بہر گوشہ بساط لطفِ خرام ساقی و ذوقِ صد پچنگ یا صبح دم جو دیکھتے آکر تو بزم میں داعِ وقتِ صحبتِ شب کی چلی ہوئی آستے میں غیبِ چہرہ منایا ہو، خیال پر	زہن را اگر تپیں ہوسِ ناب و خموش میری سنو! جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہو مُطرب بہ نعمہ رہنِ تکبیر و ہوش ہو دامانِ باغبانِ دلف گل فروش ہو یہ جنتِ نگاہ - وہ فردوسِ گوش ہو نے وہ سرور و شور نہ جوشِ خروش ہو اک شمع رہ گئی ہو سودہ بھی خموش ہو غالب صبرِ خامہ نو اسے سروش ہو
---	--

<p> سہرہ چڑھنا سچو پھینتا ہی پراسی طرف کلا  ناؤ بھر کی ہی پر دے گئے ہونگے موتی  سات دریا کے فراہم کیے ہونگے موتی  نخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا پیکا  یہ بھی اک پلے دبی تھی کہ تبا سے پڑھ جائے  جی میں اتراؤں نہ موتی کہ ہیں ہیں اک چیز  جب کہ اپنے میں تادے نہ خوشی کے بارے  سُرخ روشن کی دمک گوہر غلطان کی چمک  تارِ شیم کا نہیں ہی یہ رگ ابر بہا ر </p>	<p> مجھ کو ڈراؤ کہ نہ پھینے ترا لمبر سہرا  ور نہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا  تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا  ہی رگ ابر گترا سہرا سہرا  رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا  چاہیے پھولوں کا بھی ایک کر سہرا  گو مدھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا  کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا  لائے گا تابِ گراں باری گوہر سہرا </p>
--	--

ہم سن نہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں  
دیکھیں اس سہرے سے لکھنے کوئی بڑھکر سہرا

(سہرا جو ذوق نے جواب میں لکھا)

آج جو بہن وسعدت کا ترے سر سہرا  
لے جاؤں بختِ مبارک تجھے سر پر سہرا

تعریف کی گئی ہو چنانچہ بادشاہ کے اشارہ سے استادِ ذوق نے بھی اسی ردیفِ ناقصہ  
میں ایک سہرا لکھا جو درج کر دیا گیا ہے۔

اپنا بیان حُسنِ طبیعت نہیں مجھے  
 کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے  
 ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے  
 مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے  
 یہ تاب یہ محال یہ طاقت نہیں مجھے  
 سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے  
 بڑا بساطِ خاطر حضرت نہیں مجھے  
 دیکھا کہ چارہ غیرِ طاعت نہیں مجھے  
 مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے  
 سودا نہیں۔ جنوں نہیں۔ خوش نہیں مجھے  
 ہی شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے  
 کتنا ہوں پیچ کہ بھوٹ کی عادت نہیں مجھے

منفوری گزارشِ احوال و اقلی  
 سو پشت سے ہی پیشہ آبا سپہ گری  
 آزادہ رویوں اور اسلکِ بڑ صلیک  
 کیا کہ یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں  
 استادِ شمشیر سے ہو مجھے پر عافیت کا خیال  
 جامِ حبابِ نثارِ شمشیر کا ضمیمہ  
 میں کون اور رنجِ شہر ہاں اس سے مدعا  
 سہرا لکھا گیا زرہ اتمثالِ امر  
 مقطع میں آپٹھی ہی سخن گسترانہ بات  
 روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ  
 قسمتِ بُری ہی سی۔ طبیعتِ بُری نہیں  
 صادق ہوں اپنے قول میں غالبِ خدا گواہ

ملہ مرزا نے اپنے سرے کے جواب میں اُستادِ ذوق کا سہرا سن کر اس سہرے کو  
 بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا۔

۱۰۲	<p>فکر وصال و ہجر کا صدمہ اٹھائیے  بے لطف زندگی سے تو مرنے ہی خوب ہو  آؤ نہ آدم بھی ہیں جو کشتکیب کے  رکتے ہیں لوگ غلوتِ دشمن کا تہام  بیٹھے ہیں اب تو ہم دل بے آرزو لیے</p>	<p>اس چند روزہ زسبت میں کیا کیا اٹھائیے  کیا فائدہ کہ نازِ مسیحا اُٹھائیے  جی چاہتا ہو ذوقِ تنہا اُٹھائیے  بے پردگی میں پردہ ہی پردہ اُٹھائیے  وہ دن گئے کہ دلِ تنہا اُٹھائیے</p>
-----	--	---

## شبیفتہ ۱۸۶۰ء

نواب محمد مصطفیٰ خاں حلف نواب عظیم الدولہ سرخراز الملک مصلیٰ خاں  
بہادر رئیس دہلی و تعلقدار جہانگیر آباد ضلع بلندشہر۔ آپ نواب ولی داد خاں مرحوم  
خاندان بنگش کی اولاد ہیں تھے سلسلہ عیودہلی میں پیدا ہوئے۔ مشہور معلمین  
اور کالمین سے عربی۔ فارسی پڑھی۔ آپ کو علومِ مروجہ میں اعلیٰ درجہ کی لیاقیت  
حاصل تھی۔ غدر سے پہلے دہلی میں مستقل سکونت تھی اور وہاں کی سوسائٹی سے  
بہرہ مند روز تھے شہر کے بعد سے جہانگیر آباد میں رہنے لگے اور شاعری  
کو خیر باد کہہ دی۔ آپ اردو کی طرح فارسی میں بھی زبردست شاعر و صاحب  
دیوان تھے اور عسرتی تخلص کرتے تھے۔ حکیم مومن خاں صاحب مومن دہلوی کے  
شاگرد تھے اور ان کی وفات کے بعد حضرت غالب سے مشورہ سخن رکھتے تھے



<p>ہیں بعض لوگ درپے اسراف رات دن          بعضوں کو ہر مذاق میں فخر نسب زینہ          منہل کو فکر کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے          جو ہیں مریض سیر جن ان کو بزم میں          جی میں کسی کے خواہش آرائش لباس          کوئی مطلب ہیں اسٹہب گلوں نظیر کی          کوئی فداے قامت آفت خرام ہر          ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں</p>	<p>بعضوں کو روز و شب سیر تو فیہ مال ہر          بعضوں کو ذوق دعویٰ فضل و کمال ہر          منہم غرق لہجہ ہیم و زوال ہر          ذکر شجر کبھی کبھی منکر مال ہر          دل میں کسی کے حسرت جاہ و جلال ہر          کوئی اسیر شوق شکار غزال ہر          کوئی خراب تر گس جاو و مثال ہر          بے وجہ کوئی خوش ہر کسی کو مال ہر</p>
--	---

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفہ  
 اس کا جو دیکھے تو بہت کم خیال ہر

۱۰۸ غزل

<p>کل لہجہ گر جو منہرب جا دو ترانہ تھا          یہ ہنسا کہ جاے شیبہ ہر جب تھا نقاب          مظلوم ہر سنتا تے ہو ہر اک بیان سے          حسرت سے اس کے کوچہ کو کیونکر نہ دیکھتے          کیا میکدوں میں ہر کہ مدار میں نہ نہیں</p>	<p>ہوش و حواس و عقل و خرد کا پتہ نہ تھا          عمر شباب اور بتوں کا زمانہ تھا          قصداً نہ آئے راتِ خدا کا بھانہ تھا          اپنا بھی اس چین میں کبھی آشیانہ تھا          البتہ ایکس وال دل بے مدعا نہ تھا</p>
--	--

## شوقِ افسانہ (۳۵)

حکم تصدق حسین خاں عرف نواب میرزا آغا علی خاں لکھنوی۔ صاحب تذکرہ تنجلی شعرا نے اُن کو آتش کا شاگرد لکھا ہے اس کے سوا اور کوئی تحقیق نہیں۔ زہر عشق۔ بہار عشق۔ فریب عشق۔ لذت عشق کے مصنف تھے۔ ان ٹنویوں کو تصنیف ہوئے قریب ۶۰ سال کے گزرے۔ ٹنوی زہر عشق کا سال تصنیف مسئلہ (غم دلربا) سے برآمد ہوتا ہے طرزِ بیان سلیس ہے۔ لکھنؤ کے محاورات۔ روزمرہ بول چال۔ ضرب الاشعار کے ساتھ ہی ساتھ جذبات کی تقویر خوب چھپی ہوئی۔ ان سب ٹنویوں میں زہر عشق اپنے واقعہ کے لحاظ سے زیادہ دل گداز ہے۔ ایک موقع پر اس میں دنیا کی بے ثباتی کا جو نقشہ دکھایا ہے۔ خوب ہے۔ تقریباً ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۶ھ میں انتقال ہوا۔ زہر عشق کا انتخاب یہ ہے:

اقربا ہو گئے مرے آگاہ	تم سے ملنے کی اب نہیں کوئی راہ
مشورے ہو رہے ہیں آپس میں	بھیجتے ہیں مجھے بنا رہے ہیں
گوٹھکھکانے نہیں تھے ہوش و جاں	پر یہ کہتے کو آئی ہوں ترے پاس
جلے عبرت سرائے فانی ہے	موردِ مرگ نوجوانی ہے
اپنے اپنے مکان رہتے جن کے	آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

<p>             باقی ابقیس ہو نہ لیلی ہو              پڑھتے ہیں کل من علیہا فان              کج وہ کل ہماری باری ہو              موت عین حیات ہو اس میں              تم نہ رونا ہمارے سر کی قسم              یا مری قبر پر چلے آ ما              ہم جو مرجائیں تیری جان دور              ڈھونڈھنے کس طرف کو جا بیگی              یاد رکھنا مری وصیت کو              میری رسوائی کا جبال رہے              یوں نہ دوڑے ہوئے چلے آنا              رکھنا اس وقت تم وہاں پہ قدم              ساتھ تا موت کے نہ رونا تم              دور پہونچے گی میری رسوائی              لوگ عاشق ہمارا جانیں گے              قبر پر بیٹھنا نہ ہو کے فقیہ              پاس رکھنا ہماری عزت کا           </p>	<p>             ہوئے پست تمام پھیلی ہو              صبح کو طائران خوش الحان              موت سے کس کو رستگاری ہو              زندگی بے ثبات ہو اس میں              ہم بھی گر جان دیدس کھا کر ہم              دل کو بھولوں میں ہلا نا              جا کے رہنا نہ اس مکان سے دور              روح بھٹکے کی گر نہ پائے گی              روکے رہنا بہت طبیعت کو              ضبط کرنا اگر ملال ہے              میرے مرنے کی جب خبر پانا              حج ہو لیں سب اقربا جہدم              کہے دیتی ہوں جی نہ کھو نا تم              ہو گئے تم اگرچہ سو دانی              لاکھ تم کچھ کو نہ مانیں سگے              طعنہ زن ہوں گے سب غریب امیر              سامنا ہو ہزار آفت کا           </p>
---	---

کون صاحب کسی کا ہوتا ہو جاننا ہم پہ ہو گئی قربان خواب دیکھا تھا کیجیے یہ خیال زندگی کا کچھ اعتبار نہیں	عمر بھر کون کس کو روتا ہو کبھی آجائے گرہارا دھیان دل میں کچھ آنے دیجیئے نہ ملال مرگ کا کس کو انتظار نہیں
---	---

## (۳۶) اسپر ۱۸۷۲ء

تدبیر الدولہ مدبر الملک سپہ مظفر علی خاں ولد سپہ مد علی قصبہ  
ایٹھی ضلع گھنڈہ کے رہنے والے تھے۔ عربی میں جملہ علوم و فنون کے  
کتابیں علماء فرنگی محل سے پڑھی تھیں۔ شاعری میں شیخ غلام سہدانی  
مصحفی امر وہوسی سے تلمذ تھا۔ نصیر الدین حیدر شاہ کے عہد حکومت میں شاہی  
متوسل تھے۔ امجد علی شاہ کا زمانہ بھی دیکھا۔ پھر واجد علی شاہ کی مصاحبت  
میں کئی برس گزارے اور گلہت میں ان کے ساتھ رہے۔ بعد ازاں ریاست  
راپور میں چلے آئے۔ بڑے پُرگو کہنے مشق قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کا  
غزلیات میں اخلاقی مضامین زیادہ ہیں۔ چھ دیوان چھوڑے۔ آپ کا  
ایک فارسی کا دیوان بھی موجود ہو۔ علم عروض - معانی بیان سے کامل۔  
واقفیت تھی ۱۲۹۹ھ میں بمقام راپور انتقال کیا۔ کلام یہ ہو۔

## (۳۷) نظام ۱۸۷۲ء

سید نظام علی شاہ خلف سید احمد شاہ۔ آپ ریاست رام پور کے  
سادات سے تھے آزاد منش۔ آشفہ مزاج۔ رہنما نہ طبیعت رکھتے تھے۔ عاشقانہ  
معاملات کو خوب کھتے تھے۔ ابتدائی کلام شیخ علی بخش پیرا کو دکھایا۔ پھر ذاب صبا  
پوسفت علی خاں بہادر ناظم سے اصلاح لی۔ ۲۵ رشتہ بان ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء  
وفات پائی۔ دیوان مرثیہ کے بعد ریاست رام پور میں شائع ہو چکا ہے۔  
نمونہ کلام یہ ہے۔

## ۱۰۸۔ غزل

جو سرگزشت اپنی ہم کہیں گے۔ کوئی سینگا تو کیا کریں گے  
چو یا و آہیں گی تیری باتیں تو پروں چپ ہی ہا کریں گے  
الہی قاصد! بھی نہ آئے کہ یہ توقع بھی ہے غنیمت  
کیا گر انکار صاف اُس نے تو دل کو تشکین کیا کریں گے  
عبث! یہ ہر دم کا پوچھنا ہے۔ عبث! یہ اٹھ اٹھ کے دیکھنا ہے  
بھلا وہ ایسے ہوئے تھے کس دن۔ دہی تو وعدہ وفا کریں گے

ہم اسے درشت و شست ہم کو لے آتی جو شستی ہے	ہم اسے درشت و شست ہم کو لے آتی جو شستی ہے
جیسے اہل ریاضتی سچ آبی کہتے ہیں شاید	وہ سانچا تیرے آتش و طوائف کا چشم گرہاں
سہتی کو دیکھتا ہوں رات بھر اور پھل لکھتا ہوں	مطول مختصر وہ شرح شعر زلف یحیاں

نہ کیوں ہر طرز میں پڑھنا غزل میں لکھا گئے  
مرا شنا و کامل تہہ ناسخ ساختہ اداں ہو

۳۹، سالک ۸۷۳ء

میرزا قربان علی بیگ - خلفت میرزا عالم بیگ دہلوی - آپ کے اسلاف  
چیدر آبادی تھے - میرزا صاحب دہلی میں پیدا ہوئے - عربی فارسی میں  
ذہنی استعداد تھی - شاعری میں پہلے حکیم مومن خاں صاحب دہلوی کے  
شاگرد ہوئے - پھر تلامذہ غالب میں داخل ہو گئے - مضمون آفرین - بلند  
خیال - عالی دماغ شاعر تھے - ایک دیوان ہنجار سالک کے نام سے  
شائع ہو چکا ہے - آپ ریاست الوری میں وکیل تھے - وفات کو قریب ۳۰  
سال کے ہوئے - سلسلہ مر تک زندہ تھے - کلام یہ ہے -

غزل

اس سے ظاہر ہی نہیں خلد نشان ملی	بے وقعت ہیں بھی ہم کہے بیان ملی
---------------------------------	---------------------------------

ترے کو پیچھے ہٹ جاتا ہو کیا انسان پر جادو	ابھی ہشیا رہتا ہوا ابھی دیوانہ آتا ہوا
گیا جو اس خم گیسو میں ال کا ہوا سالک	یہ حیرت ہو سلامت کیونکہ پھر کر شاہ آتا ہوا

۲۰ دسمبر ۱۸۶۴ء

دبیر - میرزا سلامت علی - خلیفہ میرزا غلام حسین ان کے آباؤ اجداد کا وطن دہلی تھا۔  
مگر میرانہس ہی کی طرح ان کا بھی آفتاب سخن لکھنؤ میں طلوع ہوا۔ شاعری میں میر مظفر حسین صاحب  
ضمیر کے شاگرد تھے۔ حریفہ گوئی میں میرانہس کے مقابل تھے۔ اصل یہ کہ دونوں  
آفتاب و ماہتاب تھے جس طرح میرانہس کی فصاحت مسلمہ ہو اسی طرح آپ کی بلاغت ایسا  
حریفہ کئی جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں۔ ۲۹ محرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۴ء کو انتقال  
فرمایا۔ کلام یہ ہے۔

۱۱۲ - تلواری

جب مورچے پسلی تین دوسر گئی	چنگ بھلوں کو سارے دیوانہ کر گئی
ہر صف میں خاک لڑا کے ادم سے ادم گئی	پھر یہ نہا نہا کے ہو میں نکھر گئی

عالم نے بوجھ قضا کی کے حسن کا  
جو بن شاک رہا تھا جو انی کے حسن کا

آگے کبھی بڑھی۔ کبھی پیچھے کو پھر پڑی	سر پر جو لڑکھائی تو شانوں پہ گر پڑی
تو بڑھو لعلیوں نے کی وہ مفر پڑی	اُھا دان سے پوچھیے یہ جن کے سر پڑی

# ۴۔ نواب سید احمد علی خاں

نواب کلب علی خاں خلد آستیاں والی رام پور۔ نواب یوسف علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ شاعری میں منشی امیر احمد صاحب امیر پٹیالی لکھنؤی کے شاگرد تھے۔ محفل و مشغول کی کتابیں مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی سے پڑھی تھیں۔ آپ کے عہد میں رامپور مشرقی علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہرن کے کامل موجود رہتے تھے۔ اردو فارسی دیوان موجود ہیں۔ نہایت علم دوست اور شریف نواز تھے۔ تاریخ ولادت ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۸۵ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۶۷ء دفاتہ ۲۲ رجاوی الاخر ۱۲۸۵ء مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۶۷ء نمونہ اکلام یہ ہے۔

## ۱۱۴ غزل

پے کیونکہ تیری رہ گزری سوز کی سوز  
بھلا کیا خاک سونے چاہیے وہ کچھ مرقدیں  
تیری صورت کا نقشہ جب بھی کچھ جائیگا پورا  
عجب حسرت کا دیکھا ہے سوئی جانان مرقدیں  
اڑا لیں جھپیاں ہاتوں نے اس کی جوش  
کیا عشق کرنے بے نشان ایسا نہ پائیں گے

کہ تالوں سے مرے کانپا کیا عشق بریں سول  
رہا ہوں کے سر کا کچھ دوش نازیں سول  
تو صنعت پر کر گیا ناز صورت آفریں سول  
بہگی یاد اس کو بھی نگاہ و سہیں برسوں  
بہی سستی دیدہ خوبا پر جو استیں برسوں  
عدم میں بھی اگر ڈھونڈیں گے تجھ کو کہ نہیں سول



25 MARCH 1957	ہاں غزل	
---------------	---------	--

<p>سچ مرنے کا مجھ کو راجہ نہیں          بعد مردن بھی یہی راجہ ہوتا ہے          اے اجل جلد آ کہ فرصت ہے          ظلم کرنا ہتھاری عادی ہے          ہر نفس ہانگ کو مس رحلت ہے          دم نکلتا نہیں، مصیبت ہے</p>	<p>موت ہی چارہ سازِ فرقت ہے          ہر دم تیر لچ تر بہتا ہے          ہو چکا وصل وقتِ رخصت ہے          روز کی داد کون دیوے گا          کارواں عمر کا ہو رخصت ہون          سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہو</p>
---	--

<p>تم بھی اپنے جیسا کو دیکھ آؤ          آج اُس کی کچھ اور حالت ہے</p>	<p>"</p>
---	----------

<p>(۴۳) قلق</p>	<p>۸۸۰</p>
-----------------	------------

خواجہ ارشد علی خاں بن خواجہ بہادر حسین فراق لکھنوی۔ آپ خواجہ وزیر لکھنوی کے خواہر زادہ تھے۔ اور مشرگوئی میں انھیں سے تلمذ حاصل تھا اور وہ کئے آخری تاجدار و امجد علی شاہ کے معاصرین میں سے تھے جب ولعبد کی شادی ہوئی تو انھیں خلعت دیا گیا مگر دربار شاہی سے

<p>اس قدر راستہ نہ دکھلاؤ          آنکھوں میں جانِ زار ہی اب          گویا تک منتظر رہوں گی          ہر کل امراض سے بڑا آزار          صورت اپنی فدا دکھا جاتے          جو کہ کتنا تھا تم سے کہہ جاتی          باتوں باتوں میں کہہ دیا اُس سے          کسی شہزادہ کا جہاز حضور          یاں تک آنے بھی وہ نہ پایا تھا          غرق اک دم میں ہو گیا وہ جہاز          متوحش ہوئی کمال اُس دم          کہیں میرا ہی وہ نگا رہ نہ ہو          رہنے والا وہ کس دیار کا تھا</p>	<p>ہم کو جانی بہت نہ ترساؤ          دل بہت بے قرار ہی اب          جو جو گزرے گی سب سہوگی میں          مرض انتظار اے دلدار          گر مرنی زندگی میں آ جاتے          حسرت دید تو نہ رہ جاتی          ایک دن یہ کسی مصاحب نے          یہ کئی دن سے ہی خبر مشہور          اس طرف کو کہیں سے آیا تھا          کہ کچھ ایسی ہو اچلی ناساز          سنلتے ہی یہ سن وہ کشتہ غم          بولی گھبرا کے سچ کہہ اے خوشخو          نام کیا اُس قمر عذار کا تھا</p>
---	---

۱۱ غزل

<p>اداسے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا          وہ ظلم کرتے ہیں ہم پر تو لوگ کہتے ہیں</p>	<p>بس اک نگاہ پہ ٹھہر ہی فیصلہ دل کا          خدا بروں سے نہ ڈلے معاملہ دل کا</p>
--	---

## ۱۱۸ غزل

دل کی بھی لوٹ خانہ خرابی جگر کی ہو  
 اب حسنِ یار چاندنی پچھلے پہر کی ہو  
 ہملت ہزار آنکھوں کو اک آنکھ کی ہو  
 مہمانِ شمعِ حسنِ بتاں رات بھر کی ہو  
 یارِ بے ہوا دیارِ حینوں میں کدھر کی ہو  
 آمدِ نفس کی سمت یکسِ ثبوت پر کی ہو  
 یہ سب عنایتِ آپ کی ترہی نظر کی ہو  
 یارِ بے نگاہِ مست یہ کس بے خبر کی ہو  
 بستیِ نفلت میں اسی ویران گھر کی ہو  
 پر تھوڑی سی گھاوٹ ابھی اٹھنے کی ہو  
 اُتری ہوئی تباہی کسی رشکِ قمر کی ہو  
 یہ پچاس یادگار کسی نیشتر کی ہو  
 اسی آئینِ تجھ میں گاہِ ہفتہ بھر کی ہو  
 جس گھر میں دیکھو لوٹ اسی اچھے گھر کی ہو

آمدِ تصورِ بہت بیدار دگر کی ہو  
 نزدیک صبحِ رخصتِ اہلِ نظر کی ہو  
 دنیا میں مثلِ کاغذِ آتش زدہ ہیں لوگ  
 پیری ہو صبحِ شامِ جوانی کے واسطے  
 چاروں طرف کوڑے ہیں ہوشِ اہلِ عقل کے  
 آنکھیں بھی ہیں جاں کے رستہ میں دوزخ کے  
 تقدیر کی کچی ہو کہ ٹیڑھا ہو آسمان  
 اک بازیر مار کے اب تک خبر نہ لی  
 آہ۔ دل کی خانہ خرابی سے سب ہو  
 گورسم و راہِ خنجر ابرو نے قطع کی  
 یہ رنگت بوکھاں گل تر کو نصیب تھا  
 باقی ہو دل میں نوکِ شرہ کی ابھی ٹھٹھک  
 اطفالِ اشکِ تنگ ہیں کھلے ہیں کس طرح  
 دلی گھر کے بہن گئیں اکثر و لائیتیں

وہ شریکِ خون جگر سے خوش دل ڈال کر مریخِ خطر سے خوش  
 کوئی میرے دیدہ نر سے خوش ہیں کسی کی ترہی نظر سے خوش  
 نہ تو سیدہ - آہ سحر سے خوش نہ فلک کی میدی نظر سے خوش  
 مرے کان تیری خبر سے خوش مری آنکھ حلقہ دے سے خوش  
 تیری - بونہ لائی ادھر کبھی مرے دل کی لی نہ خبر کبھی  
 صفتِ چراغ سحر کبھی - نہ ہوا نسیم سحر سے خوش  
 نرہ سحر کی ہو طلب جہاں وہیں کے فلک ہو گہ فشاں  
 کوئی طفلِ طبع نہیں یہاں جو ہو سیرِ رقصِ شر سے خوش  
 نہ پھنسا کے کیسے عورائے نہ مہنسا کے صبحِ سرور سے  
 نہ خوش آئے آتشِ طور سے جو ہو میرے دیدہ جگر سے خوش  
 نہ زلفِ ہوش مجھے ہرن کھلے تیری آنکھوں کے کدو فن  
 شبِ تار میں ہوئے ماہِ زنِ مرے قافلہ کے سفر سے خوش  
 بھرے جاؤں تیری وفا کا دم ہو اگر چہ سر بھی مرا تسلیم  
 نہ فراقِ جان و بدن کا غم نہ وصالِ گردن و سر سے خوش  
 کبھی غم سے یہ کوچہ یا رہیں کبھی دل کے حبیب و کنا رہیں  
 مرے اشکِ فصلِ بہار میں نہیں دہنِ گلِ تر سے خوش

تپا سوزِ غم کے مریض کوئے ناب سے نہ سرور ہو  
 جلے اپنی آگ میں آپ جو وہ ہو کیوں کر آتشِ تر سے خوش  
 مرے دل کی دیکھ کے بے بسی ہو شریکِ عالم بے کسی  
 لبِ گور تک رہے وہ ہنسی چہیل کے نعم جگرتے خوش  
 کروں عید شدتِ تیغ کی جو دکھائیں شکلِ وہ چاندی  
 رہیں آنکھیں خوابِ فنا میں بھی دمِ آخری کی نظر سے خوش

یہی زلف میں ہو اسیر بھی یہی تیرے در کا فقیر بھی  
 دلِ بیقرار منیر بھی ہو کبھی کرم کی نظر سے خوش

## ۴۵۔ زخشاںِ سلام

نواب، ضیاء الدین خاں خلیفہ فخرولہ احمد بخش خان بہادر دہلوی  
 فارسی میں بہر اور اردو میں زخشاںِ تخلص تھا۔ مرزا غالب سے  
 قرابت کے علاوہ تلمذ کی نسبت بھی تھی۔ دہلی کے اہلِ کمال میں آپ کا  
 دمِ عقیمت تھا۔ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ شعر کے نقاد بھی۔ عامیہ نہ  
 خیالات اور کھالِ باہر محاورات کو اپنے کلام سے دور رکھتے تھے۔  
 علمِ تاریخ کے ماہر تھے اور گزشتہ واقعات سے جو نتائج مرتب کرتے  
 تھے وہ نہایت گراں مایہ اور قابلِ قدر ہوتے تھے۔ نواب صاحبانے

شکار و ہروے خدر شمشاد کے بعد حضرت قدر لکھنؤ سے دہلی چلے آئے اور مرزا  
غالب مرحوم سے استفادہ اٹھایا۔ آخر میں سرکار آصفیہ میں ملازم ہو گئے مگر  
صنائع بدائع و عروص سے بخوبی واقف تھے۔ پنگل یعنی ہندی کا عروص جانتے  
تھے۔ قواعد العروص اور اعجاز خسروی کا حاشیہ آپ کا لکھا ہوا موجود ہے  
۲۲ ذی قعدہ ۱۳۱۵ مطابق ۱۹۰۲ء کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔ کلیات شائع  
ہو چکی ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے۔

### ۱۳۱ غزل

خدا کو مانوس نہ جانو نہ میرے دل پر جفا کرو تم  
ہلے گا عرشِ بریں کا پایہ ذرا تو خوفِ خدا کرو تم  
زمانہ اٹھا ہو کیا کرو تم بلجو ہو وہ ادا کرو تم  
وفا کریں ہم جفا کرو تم دعا کریں ہم دعا کرو تم  
سرورِ صلت کہ رنجِ فرقت دوائے الفت کہ گفت  
نشانِ ہوسہ کہ دایعِ حسرت قبول ہو جفا کرو تم  
ہمیں نے پہلے گلا گٹایا ہمیں نے قاتل بنائیا  
ہمیں نے یہ رنگ سبب جایا ہمارے حق میں دعا کرو تم  
ابھی کمزور دے پھاڑ دالیں ابھی ہزاروں سنہ نکالیں  
ابھی جو محشر کی چل کے چالیں نہ اتنا بیتا کرو تم

بجای بجای مرا کلا تھا مگر اس میں گناہ کیا تھا

یہ میری تقدیر میں لکھا تھا نہ مجھ پر جو بخا کرو تم

ہناؤ اسے قدر کیا کہا تھا یہ ہی نتیجہ ہو عاشقی کا  
غریب و بیکس ذلیل و رسوا خراب و ہستہ پھر کرو تم

## ۴۶- آخر

واجد علی شاہ (دلی اودہ) آپ امجد علی شاہ کے خلف اکبر تھے  
سلسلہ میں مسند نشین ہوئے۔ آپ کی طبیعت نہایت عیش پسند واقع  
ہوئی تھی قیام بھی تھے یہ سلسلہ عین اودہ کی سلطنت کا انتظام گورنمنٹ  
انگریز ہی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آپ کو نظر بند کر کے گلگت بھیج دیا۔  
۵ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ اس حالت میں بھی عیش و نشاط سے ہاتھ  
نہ اٹھایا۔ گزشتہ فیاضی میں فرق نہ آنے دیا۔ ۱۳۱۱ھ میں ملازم مطاب  
سلسلہ میں وفات پائی۔ علماء و شعرا کے قدروان تھے۔ شاعری میں  
جلد اصناف سخن پر قادر تھے۔ چھ دیوانوں کے علاوہ آپ کی شہنواں قابل دیدیں  
جن میں اپنے کارناموں کو آزادانہ طریقے سے کھلے ہوئے الفاظ میں قلم بند  
کیا ہو۔ فن موسیقی کے دلدادہ تھے۔

نمونہ کلام یہ ہے:-

۱۳۲

دہلی کے ایڈیٹر ہوئے۔ اس کے بعد لاہور پہنچ کر سوشلسٹ پارٹی میں رفیق ہند کے جواب میں شیفین ہند جاری کیا۔ رفیق ہند اس زمانہ میں جمہور مسلمین اور ان کے مسلم لیڈروں کی پالیسی سے الگ ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے ہوئے تھا۔ اس کے طرافت آمیز مضامین نے اس کی ہوا اٹھیر دی آخر زمانہ میں ریاست حیدرآباد سے تعلق ملا۔ مسن ہو گیا تھا وہیں بھرم ۴۵ سال مسن سلسلہ مطابق سلسلہ میں انتقال ہو گیا۔ کلام کے جمع کرنے پر نوہ نہ تھی۔ اس لیے کوئی دیوان موجود نہیں ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

### ۱۲۳ غزل

دولت اسک نظر آتا ہے قلزم مجھ کو خود پسندی نے مجھے اور نہیں ایک کیا بھر مولج میں قطرہ کا تاشا دیکھو خوگر جو رہوں الطاف و محبت معلوم دل میں خاموشی کو ایک خضر تعلق جانا دل میں برداشت نہیں رشک و کی تو کام گیرے نظر آتے ہیں بھی تک کہ خدا	جستجو خاک کی ہے ہر تہمت مجھ کو کیوں مری طرح سے آتے ہو نظر مجھ کو نا خدا چھوڑ چلا ہے سب قلزم مجھ کو میں نہیں غیر کہ ہو لطف تر جم مجھ کو نہ بن آئی کوئی حبیب طرز تکلم مجھ کو آپ کا لطف گوارا نہ تر جم مجھ کو گوش دل دے اُسے پار اُسے کر مجھ کو
---	--

مسیح دریا کی تہیت تہی طلی با سے آتیا  
جوش گریہ نے دکھا یا جو تلاطم مجھ کو



دوستوں کے ہاتھ سے صدمہ اٹھا اس قدر دل سے اپنے دشمنوں کا بھی گلہ جاتا رہا

عہد پیری میں کہاں صفدر جوانی کے لئے  
وہ بہار آخر ہوئی وہ دلولہ جانا رہا

۵۔ عزیز مسعود

نواب حافظ عبدالعزیز خاں بریلوی خلیفہ نواب سعادت یار خاں  
آپ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے پوتوں میں تھے۔ عربی۔ فارسی میں  
مشرقی علوم کی تکمیل کی تھی۔ مسنکرت بھی جانتے تھے۔ ضلع بریلی کی عدلیہ  
میں وکالت کرتے تھے۔ آپ کی ایک کتاب مجالس العلوم کے نام سے شہرت  
ہے جس میں تمام علوم و فنون کا بیان ہے۔ دیوان فارسی و اردو و سلسلہ ۶  
چھپ چکا ہے ۵۸۔ برس ۸ ماہ کی عمر پا کر سلسلہ ۶ میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام  
ابھی ہے :

۱۲۵۔ غزل

یا خدا دل میں غم یار کی مہمانی ہے  
عشق کا پھیدہ چھپانے کو نیا ہونٹوں  
رشتہ گستاخانہ کی ہو عشق کے بازو میں  
راستہ اور بھی ہیں بلکہ عدم کے لیکن

شرم رکھ لے کہ بہت سہو سامانی  
پردہ راز محبت ہی عربانی ہے  
قیمتی ہو وہی یاقوت جو رسانی ہے  
تبیخ کے گھاٹ اتر جانے میں آسانی ہے

## ۱۴۲ غزل

<p>بڑھ گئی بعد مرے گرمی و حشت میری  آپ کا عشق بھی کیا قفلِ زباں بندی ہو  عکسِ آئینہ دل میں ہو ترے فامنت کا  عرشِ اعظم پہ دیں کا سر عزت پہنچا  مجھ کو ہر جامہ و حشت کوئی جامہ نہ ملا  مثلِ سیما با گز دل اڑتی ہو تریت میری  نہیں کھلتی جو زباں ہر شکایت میری  میرے پہلو میں ہی موجود قیامت میری  اس قدر بڑھ گئی عالم میں کہ ورت میری  چشمِ آہو کی سیاہی ہوئی قسمت میری</p>	<p>ہو فروغ اپنا کلام آئینہ تعجبِ منا  کہ نظر آتی ہو اشعار میں فکرِ میری</p>
---	---

## ۵۲ فطرت ۱۸۹۵ء

سید حامد علی گو رکھ پور کے رہنے والے تھے۔ ایشیائی شاعری میں مغربی  
روح بھونکنا چاہتے تھے۔ مختلف عنوانوں پر نظمیں لکھتے تھے۔ ۴۰ سال کی عمر میں  
اسرائیل مطابق ۱۳۹۵ء کے قریب انتقال ہو گیا۔

نمونہ کلام یہ ہو

	لطفِ محبت جس نے پایا جی مر کر کچھ لطف اٹھایا	
مستی تیری رنگِ فنا میں آہٹ تیری بانگِ درا میں	مہستی تیری رنگِ فنا میں قائم مجھ سے جانِ حیا میں	
	ہر اک رنگ میں تو ہی تو ہی باغِ جہاں میں تیری بو ہی	
پر رونق ہو ہنرم دھرت لکھے تیرے رمیزِ حقیقت	ہی آباد چلی سے جنت کس کی روح میں اتنی قدرت	
	یہ منہ ایسی باہیں فطرت کچھ تو سوچو اپنی حقیقت	
	۵۳۔ مذاقِ سحر	
<p>مولوی دلدار علی بدایونی والد کا نام شیخ شاعر علی صدیقی ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ خاقانی، ہند، ذوق، دہلوی کے ارشادِ تلامذہ میں تھے۔ زانوئے شاگردی تکرتے وقت فی البدیہہ قلم کہہ کر استاد کو سنا یا تھا۔ کیا کون عرصہ اشتیاق اپنا شعر کہنا غرض تھا شاق اپنا ذوق تھا یہ ترے تلمذ کا بچہ کہ تخلص کیا مذاق اپنا</p>		

مذاق کہہ دے یہ نکتہ والے۔ بڑھا دیا ہم نے لاکھاں  
کیا تھا فاسخ نے آسماں سے۔ بلند رتبہ گر اس زمیں کا

## (۵۴) بیانِ سنو

سید مرتضیٰ میرٹھ کے ساداتِ عظام سے تھے۔ نازک مزاج ایسے  
تھے کہ چاند سورج کی روشنی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ۱۴ برس کی عمر سے  
آخر وقت تک گوشہ تنہائی میں گزار دی۔ زبانِ دہلی کے متعلق مگر اجتہاد کا  
پہلو بیٹے ہوئے تھے اپنے ہم عصروں میں سے کسی کو کم خیال میں لاتے  
اور سچے بڑے مضمون آفریں۔ قدرت نے جدتِ طرزی کا مادہ ان میں  
گوشہ کوٹ کر بھرا تھا۔ ان کی تصنیفات میں چھوٹا سا مجموعہ نعتیں۔ اور کچھ  
کلام عاشقانہ ہی۔ ایشیائی شاعری کی الوداع نام ان کا ایک مسدس  
مشہور ہے۔ ساٹھ سال کی عمر پا کر سن ۱۸۷۷ء مطابق سن ۱۲۹۵ء میں دارفانی سے  
سودھار گئے۔

نمونہ کلام حسبِ ذیل ہے:-

سلاطین کا تابع رہا ہی زمانہ	ہوا جس طرف ان کا نور سن روانہ
اوسے طابق النعل بالنعل جانا	نئی چال چلتا رہا ہی پڑانا
اگر کلخ دولت کی نوبت نہی ہو	نوبت کا ڈنکا نہا گستا نہی ہو
شہان سلط کی نگاہ کہاں ہی	وہ دلی کہاں ہی وہ اردو کہاں ہی
جہاں کو قرار ایک پہلو کہاں ہی	خدا کی مشیت پہ قیام کہاں ہی
مٹے کا غدی ناؤ کے پھینے والے	گئے مفت کی روٹیاں دینے والے
رہو گے زل میں گرفتار کب تک	کھسیڑ گئے بیج وزنار کب تک
نہ عقبی سے ہو گا سروکار کب تک	رہے گی یہ دنیا غدار کب تک
جھکو جانپ کتبہ چھوڑو بتوں کو	نہ پتھر پیسے گے توڑو بتوں کو
مسافر ہی انسان بھر فنا کا	سفر چاہیے دیکھ کر رخ ہوا کا
خطر ہی سفینوں کو موج بلا کا	کہا مان لو نظم کے نا خدا کا
نہ کشتی سے گردابیں گر پڑو تم	مستلم جبر صحر پھیرو پھر پڑو تم

آگ ہو جائے گا وہ شوخ امیر	کھینچا آہ آتشیں
---------------------------	-----------------

گدشتہ خاک نشینوں کی باد کا ہوں میں پھر اُس کی شان کی پی کے حصے بچے پہرا ہو دست اجل مجھ پہ لاکھ بار مگر کچھ آج میں نے سچی پی ہو حضرت عطا نگاہ قر سے محکم نہ دیکھ احوں دوزخ دہ کشتہ ہوں کہ مری لاش بطل قتل سے وہ نے قرار ہوں کچھ اگر تڑپ میری	مٹا ہوا سنا نشان سیر مزار ہوں میں گناہ کا یہ کدے گناہ کا ہوں میں نکل گیا ہوں تڑپ کروہ بے قرار ہوں میں ازل کا مست پیرانا شراب خمار ہوں میں خبر نہیں تجھے کس کا گناہ گار ہوں میں زمین پکاراٹھے قابل مزار ہوں میں قرار بھی یہ پکارے کہ نے قرار ہوں میں
---	---

بڑے مرنے سے گزرتی ہی بخودی بل میر	خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں
-----------------------------------	---------------------------------------

۵۶۔ احمدی سنہ ۱۹۰۰ء	
---------------------	--

نواب غلام احمد صاحب احمدی مرحوم یکم جنوری ۱۳۲۰ء کو بمقام کھنپور ہفتیخ کنال
--

خیر کے کاموں میں مصروف رہے۔ ۱۷ اپریل ۱۹۶۲ء کو ۶۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ باوجود طویل القدر عہدوں کی ذمہ داریوں میں مصروف رہنے کے بھی اپنے علمی مشاغل سے دست بردار نہ ہوئے۔ خط و خال کی شاعری جوانی ہی میں ترک کر دی تھی۔ توحید اور اخلاق اور سوشل مضامین پر نثر اور نظم میں ان کی تصانیف موجود ہیں۔ جن میں "مثنوی ہفت را"، "اثبات حق"، "اور صبح نور"، کو خاص شہرت حاصل ہے۔

(۱۳۰)

نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یارب بے نشاں ہو کر  
 عیاں کیا کچھ کیا ہی تو نے ای خالق نہاں ہو کر  
 تمنا ہو ترے دیو زہر کی تجھ کو پہچانے  
 ترے در تک پہنچ جائے غبارِ جسم و جاں ہو کر  
 گلستاں میں گلوں کے کان ہیں آواز پر تیری  
 "ترا ذکرِ خفی کرتا ہو ہر پشا زباں ہو کر  
 ترا جوشِ گرم زحمت اگر دے اہل پستی کو  
 مہ خور بہر میں سایہ فگن ہو آ سماں ہو کر  
 تمنا ہو سرِ پامو ذکرِ ذاتِ باری ہوں  
 مرا ہر موے تن سرگرم دھت ہو زباں ہو کر  
 تمنا سنوں میں تر دیا قدرِ تمنا کے آنکھیں کھج چرت ہیں

ترے در پر چین احمدی سرگرم مجاہد  
تمنا ہی نہیں پہچانے خاکِ آستان ہو کر

## ۵۶ مجروحِ سنہ ۱۹۰۲ء

میر محمدی حسین خلیفہ حسین فگار دہلوی، میرزا غالب کے ارشد تلامذہ میں  
میں سے تھے۔ حامی - داغ - انور - ظہیر کے ہم عصر تھے چنانچہ مولانا حالی فرماتے ہیں ۵  
داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں  
نہ سنو گے کبھی بلبل کا ترانہ ہرگز

اُردو سے ملتی ہیں ان کے نام میرزا صاحب نے بہت سے خطوط لکھے ہیں  
دور موجودہ میں نازک خیال اور معنی یار شاعر تھے۔ مگر زمانہ کی ناقدری  
نے انہیں دہلی سے باہر نہ بٹھایا دیا۔ ۱۹۰۱ء میں یہ مقام دہلی انتقال ہوا ان کا  
دیوان ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا غالب کے رنگ میں قدیم طرز کی شاعری  
کرتے تھے۔

## ۱۳۱ غزل

کیا زینچا ہو خوش گلستاں میں | دل تو اس کا پڑا ہی زنداں میں  
یہ نزاکت اور اس پہ غیروں سے | کیسی مضبوطیاں ہیں پیاں میں  
تھی وہ جھنوں کے دم ہی کا لہن | خاک اڑتی ہی اب بیا باں میں



( ۱۳۲ )

<p>فہم ای نالوں سے جل کر چرخ خانہ ہو جا اداسے دو فریب دیا کہ دل بوانہ ہو جا پیام یا رہی رہی سنی بیگانہ ہو جا کہ راز دل زباں پر آسے اور فسانہ ہو جا کہ دہر چرخ چھوگر دیش پہانہ ہو جا فیوت شوق یا رب ہمت مر دانہ ہو جا تری خوئے نخل سے وہ بیہ پروا نہ ہو جا عجب کیا ہو قیامت صحت ستانہ ہو جا دلِ صمد چاک لاس کے گیسو کُل ننانہ ہو جا جو دیوانہ ترا ہو جا وہ فرزانہ ہو جا</p>	<p>اسیری میں تباہی رونق کا شانہ ہو جا نقاش ساز گار شوقِ اہل درد کیا ہو گا نہ کہنا غیر سے قاصد کہ میں مطلب نہیں سمجھا بنیں کیوں حضرت موی کی بینا پی کہ ہم پر خدا بزم جہاں ہیں وہ دوقِ بادہ آشنائی پھروں کیوں لاس کی بزمِ یار سے محروم جانِ بادی کہا تک ضبطِ بینائی دلِ مسکینِ مختور ہو تماشا عام ہو گا اور کیفِ بے خودی ارزاں اداسے حسن میں ہو دخلِ اندازِ مجتہد کو جنونِ عشق بھی ہی علمِ حکمت نہ کیا مہنی</p>
--	---

نہاں کرتے ہوے جا پہونچاں کی بزمِ عشرت میں  
کبھی تو اسی زکی یہ شوخیِ زندانہ ہو جاے

( ۱۳۳ )

<p>بگڑے ہو کیوں تم بن آئی تمہاری ہوئی کیا ستم آزمائی تمہاری</p>	<p>ہوا میں بُرا کی بُرائی تمہاری مرے ایک نالے میں گھبرائے ایسے</p>
---	--

کسی کوئی ہون مشقی نے ان کو تبحر ملی اور زبان عربی و فارسی کی مہارت سے  
 بے نیاز کر رکھا تھا اچھے اچھے اساتذہ عصر کا کاروبار سے میں ان کے مقابل  
 سرسبز نہ ہوتا تھا یہ کچھ تو کلام کی جبرنگی سے اساتذہ کی عقل کی خوبی تھی اور  
 کچھ پڑھنے کا انداز ایسا اعلیٰ تہذیب کا کہ ہمارے استاد اپنے استاد کی غزل  
 قلم کے مشاعرے میں ہی پڑھا کرتے تھے اس لیے کہ استاد کو جہاں پناہ  
 (ظفر) کی غزل پڑھتی ہوئی تھی ایک ہندی فریاد داغ کہ یہ نام تاریخی ہو  
 سنا ہے میں تفسیر کی چارویں مثال ہو قبول عام حاصل کر چکے ہیں  
 اور بچے بچے کی زبان پر ان کا کلام سہاواں بطور نمونہ تھوڑا سا کلام پیش کیا جاتا

## ۱۳۴۔ غزل

دلِ خوب میں نہائے تو لگنا نہیں ہم  
 جی چاہتا ہے تیری جفا میں نہائیں ہم  
 دنیا میں لکھتے جاتے ہیں اپنی خطائیں ہم  
 مستحقِ روٹھ جاتے تو کیوں نہ مٹائیں ہم  
 لیتے ہیں اپنے پاؤں کی اکشرائیں ہم  
 جس وقت اپنے ہاتھ دعا کو اٹھائیں ہم  
 کچھ پڑھ کے بخشنا جو تمہیں یاد آئیں ہم

غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم  
 جو فلک میں خاک بھی لذت نہیں رہی  
 ڈر ہو نہ بھول جاے وہ سفاک زحشر  
 ناراض ہو خدا تو کریں بندگی سے خوش  
 یہ اور کو سے یار کے چکر نہ نصیب  
 تاثیر کو سلام کریں دونوں ہاتھ سے  
 سو نہا تمہیں خدا کو چلے ہم تو نامراد

کبھی ایمانہ کنایہ نہ اشنا رہا ہم کو  
 ہم کسی زلف پریشاں کی طرح اتنے پیر  
 جب کھینچے اُن سے ہوئے اور زیادہ مضطرب  
 لشکر صد شکر کہ اب قبر میں ہم جاہو پیچے  
 روزِ تکرار کرے کون خدیاروں سے  
 چل تو اے دل رہ الفت میں کہیں نہ ما  
 اب تو ہم نہ کرہ غیر پر آفت ٹھہرے  
 باتیں اس آئینہ رو کی بھی ہیں گویا کہ ظلم  
 آپ سے اب نہ بنے گا کوئی سودا اپنا  
 ہم سپہِ رو ہیں سوا و مکشتم سے بھی  
 بے ملو کی میں مزہ کیا ہر مزہ ہر اس میں  
 کم نگاہی نے تری جان سے مارا ہم کو  
 خوب بگڑے تھے مگر خوب تو مارا ہم کو  
 مرضِ عشق کے پرہیز نے مارا ہم کو  
 تو سن عمر نے منزل پہ اتارا ہم کو  
 دل کی اس گرمی باز آنے مارا ہم کو  
 مل رہے گا کوئی امد کا پیارا ہم کو  
 پھر قیامت ہیں جو چھڑو گے دو بارا ہم کو  
 آج تو خوب ہی شیشے میں اتارا ہم کو  
 پھر دیجے دل بیتاب ہمارا ہم کو  
 پر جو دیکھے تو کہے آنکھ کا تارا ہم کو  
 کہ ہمارا ہو تمہیں پاس تمہارا ہم کو

بھڑستی میں ہوئے کشتی طوفانی ہم  
 نہیں ملتا کہیں اے دل کنارا ہم کو

(۱۳۷)

ثباتِ بحرِ جہاں میں اپنا فقط مثالِ حباب دیکھا  
 نہ جوش دیکھا نہ شور دیکھا نہ موج دیکھی نہ آب کھا

جو بھکھو دیکھا تو کچھ نہ دیکھا تمام عالم خراب دیکھا  
 شراب غفلت سے داغ غش تھے دکھائے غفلت کیا ناشائستہ  
 کہ سوتے سوتے جو چونک اٹھے مگر کوئی تم نے خواب دیکھا

(۱۳۸)

ستم ہی کرنا چاہی کرنا گوارہ الفت کبھی نہ کرنا  
 تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کبھی کرنا  
 ہمارے ہیبت پر تم جو آنا۔ تو چار آنسو بہا کے جانا  
 ذرا ہے پاس آبرو بھی کہیں ہمارے ہنسی نہ کرنا  
 کہاں کا آنا کہاں کا جانا وہ جانتے ہی نہیں رہیں  
 وہاں ہو وعدہ کی بھی یہ صورت بھی تو کرنا کبھی نہ کرنا  
 لیے تو چلتے ہیں حضرت دل تمہیں بھی اس انجن میں لیکن  
 ہمارے پہلو میں بیچ کر تم ہیں سے پہلو ہتی نہ کرنا  
 تمہیں ہر آسان قتل کا یہ سخت جاں بھی بڑی بلا ہیں  
 قصداً کو پہلے شریک کرنا یہ کام اپنی خوشی نہ کرنا  
 ہلاک انداز وصل کرنا کہ پر وہ رہ جائے کچھ ہمارا  
 غم جدائی میں خاک کر کے ہمیں عدو کی خوشی نہ کرنا  
 مری تو ہر بات زہران کو وہ اُن کے مطلب ہی کی نہ کیونٹ

خاندان کے رکن تھے جو عہدِ ماضیہ میں علمی اعتبار سے نامور تھے اور اس کے فضل و کمال کا تمام ہندوستان میں مشہور تھا۔ ۱۳۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کلامِ عجمانی میں مولوی اودی علی صاحب شاگردِ برقی کھنوی کو دکھایا اس کے بعد تحتِ گوئی میں طرزِ خاص کے موجد ہو گئے۔ اور دو درجہ حاضرہ کے شعرا میں ایک سو دو کمال تھے۔ بین پوری میں وکالت کرتے تھے۔ ۱۸ صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۱۹ء میں وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔ زبان کی صفائی کے ساتھ کلامِ سوز و گداز اور جذبات سے پر ہوتا ہے۔

## عشق و محبت کی بے چینی کا نقشہ

(۱۳۹)

ماہر و آئینہ پیکر ساقی  
دل کی لہروں کا سمندر ہو جا  
میرے دریا تیرے بیڑے کی خیر  
دے صراحی پہ صراحی بھر کے  
دم آجے دم آنے ساقی  
آج لبتہ کوئی خم مجھ کو  
یار کرتا ہی غما طب ساقی  
غیر بن بن کے بناتا ہی مجھے

ایک نظر مہر کی جھ پر ساقی  
مہرباں تشنہ لبوں پر ہو جا  
کشتی نہ چلے میرے بغیر  
کر دے سرشار مجھے جی بھر کے  
گردش جام شرابے ساقی  
غرق کرتا ہی تلاطم مجھ کو  
یہ بھی اک وقت ہے بے ڈھب ساقی  
پچھنے دے دے کے رلاتا ہی مجھے

<p> بھی ملتے ہو تو بیگانے سے  شہر کا سیر و تماشا چھوڑا  رکھ دیسے موسم گل میں کیونکر  آشنا گل کے نہ سوسن کے رہے  بیٹھے جنگل میں نہ یکسو ہو کر  خجہ میں تیرا گلا ہوتا ہی  کسی بت نے تجھے حیران کیا  بیٹھے بھلائے یہ سودا تجھ کو  دیکھ بھر آئیں تری پھر نکلیں  خون ہیں ڈوبی نگاہیں کیسی  بگڑی کیوں امی مرے سہل چتون  عشق کیسوں نے یہ عقدہ کھولا  جال پھیلائے ہیں منتر والے  جان لیتے ہیں نکمرے والے  دل لگا ہی تو پیشانی کیوں  آبرو کی بجھے پروا کب تک  ہوش میں آؤ سمجھ واسے ہو </p>	<p> بھی ہنستے ہو تو دیوانے سے  چاندنی چوک کا رستا بھوڑا  طاق نیساں پہ سترے ساغر  باغ میں تم تو خزاں بن کے ہے  کالے کوسوں پھرے آہو ہو کر  قیس یلانی پہ خفا ہوتا ہی  کسی کا فر نے مسلمان کیا  کیا ہوا میرے کنہیا تجھ کو  یاد آئیں تجھے کا فر آئیں  ہیں مری جان یہ آہیں کیسی  یاد آئی کوئی قاتل چتون  سر پہ چڑھ کر ترے جادو بولا  بال کھولے ہوئے گھونگر والے  تم سلامت رہو مرنے والے  جان کی فکر مرے جانی کیوں  ننگ و ناموس کا کھٹکا کب تک  تم تو نے مریے متوالے ہو </p>
---	---

ہزاروں شمعیں پروانہ بنی ہیں میرے مدفن پر  
 آگاہی پہنچے مر جاں جو اپنی خاک مدفن پر  
 تو وقت فاتحہ ہی بدگماں کا ہاتھ دامن پر  
 تعجب کیا خمیدہ ہو اگر تلوار قاتل کی  
 چڑھا ہی خون کس کس نے گنہ کا اس کی گردن پر  
 وہ نے انصاف اور اپنی وفا کی داویا قسمت  
 گمان دوستی ہی سادگی سے ہم کو دشمن پر  
 نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہی  
 کہ کچھ رک رک کے چلتی ہی تری تلوار گردن پر  
 عجب اس جلوہ یکتا میں نیرنگ تماشا ہی  
 نئی صورت سے چمکا خاطر شیخ و برہمن پر  
 میں ہوں مرہون منت صلح کل کا جب سے اور شد  
 یقین دوستی ہونے لگا ہی مجھ کو دشمن پر

(۶۱) راسخ شمس

مولوی عبدالرحمن دہلوی۔ خلعت مولوی محمد حسین ان کا خاندان قصبہ بہت ضلع

نہ میں عیشیں بریں پر ہوں نہ میں فزں نہیں پر ہوں  
 مری ہستی ہو گویا نیستی میری نگاہوں میں  
 لبوں کے بوسے دے دے کر مدد کو کیوں کرتے ہو  
 زباں شامل نہ ہو جائے کہیں جھوٹے گواہوں میں  
 عدول حل کے گرجھ سے کریں نامے تو اچھا ہی  
 ملے دادِ دستم ایسا اگر ہو داد خواہوں میں  
 حجاب دیدہ خود ہیں، حجاب خاطرِ برید ہیں  
 پڑے رہتے ہیں یہ پر دے تمھاری جلو گاہوں میں  
 ہماری طرح تم پر بُرا ہوس مر کیوں نہیں جانتے  
 اگر ہیں جاں نثاروں میں اگر ہیں اد خواہوں میں  
 دبا کر رکھ لیا ہو چال میں محشر کے فتنوں کو  
 جگا کر رکھ لیا ہو شوخ نے جادو نگاہوں میں  
 جگر بھی خوش ہو دل بھی خوش کہیں نہیں کہیں تمکلیں  
 غضب کی میٹھی چھڑیاں ہیں تری نیچی نگاہوں میں

وہی راسخ تو ہیں کل تک جو مینا نے کے درباں تھے  
 بنے بیٹھے ہیں حضرت چار دن سے دیں پنہا ہوں میں



فلک جس کے قدم لینے کو جھک گیا سنا کہ جس پہ شیداماہ مفتوں گھٹا چمکی ہوئی جس کی بدولت پھاڑوں کو جہاں روڑوں کا رتبہ	زمانہ جس پہ دم لینے کو رک جاے ہلاگردان ہو جس کا مہر گردوں شفق پھولی ہوئی جس کی بدولت جہاں حوروں سے کم گھوڑوں کا رتبہ
---	---

جہاں طوفان نوح اک موج نوخیز  
جہاں خدو چشم قدرت حیرت آمیز

### صبح پیری

کیا جاتے مہر کے بال تھے مدت سے کیوں سپید سینیں پہ نہیں ہیں طنا میں ہنر کی اب کیجے جا کے معرکہ زندگی کے کام کیا دیکھے آنہ کوئی ہمنہ ہی نہیں جو جب آنکھوں کی دو بینوں میں بھی نہیں نور جاسوس کان کے پڑے سونے ہیں یہ خبر طاقت کہاں بیان ہیں کیجے گلوں کی طول وہ دن کہاں کہ صبح سے ہو سیر چوک کی پائوں کے راہوار اٹھاتے نہیں قدم	نزلہ جھکا وہ ریش پر اب غضب ہوا خیمہ سحر کا آن گڑا کوچ شنب ہوا ہوتا تھا جتنا بزم میں عیش و طرب ہوا نئے کار ہو جہنم میں شہر طلب ہوا دانتوں کا بھی حصار مرمت طلب ہوا ان کی بلا سے دہر میں شہر و شنب ہوا بمجبوریوں سے دروازہ بان شکر برب ہوا بات راہ عیش گرم جہاں وقت شنب ہوا کری جو ایک سیک پہ ہو کہ با سبب ہوا
--	--

(۶۴) جلیب ۹۰۹

میر کا نظم۔ آپ کا سلسلہ نسب سید محمد بن موسیٰ کاظم علیہ السلام تک پہنچتا ہے اور  
 قصیدہ کنویر ملک اودھ کے رہنے والے گیارہ برس کی عمر سے شروین کا شوق ہو گیا  
 سے پہلے اپنا کلام نسب لطیف اللہ قدر شاگرد ناسخ کو دکھا یا پھر سیسین مرزا شاکر  
 لکھنوی سے استفادہ سخن حاصل کیا جو ناسخ کے قابل شاگرد تھے آپ ریاست جھانسی آباد  
 میں ملازم تھے شاعر ہیں وفات پائی کلام کا انتخاب یہ ہے۔

۱۳۵۔ غزل

حسن جب صورتِ گردِ ذوقِ خود آرائی ہوا  
 ہر بہت بیباک گرم لاف یکتائی ہوا  
 عشق نے سارے زمانہ کو بنایا دیگیاں  
 خود بخود میرا ترپنا و جہ رسوائی ہوا  
 اک جہاں شیدا ہو صورتِ آشنا کوئی نہیں  
 سب کو اپنا کر لیا کس کا وہ ہرجائی ہوا  
 کچھ بجز غفلت نہ ہاتھ آیا متاعِ دہر سے  
 مال دنیا صرف شغلِ بادہ پیائی ہوا

دے جگہ یار کو پہلو میں رگ جاں ہو کر  
 خوش نگاہوں کے کرشمے کوئی ہم سے پہلے  
 آنکھ میں کرتے ہیں گھر آنکھ سے پنہاں ہو کر  
 دست و حشمت سے کہوں گا کہ اسے بھی کر چاک  
 دل مجھے تنگ کرے گا جو گریباں ہو کر  
 حسرت نامک قاتل میں جو دل بھر آیا  
 آنسو آنکھوں میں کھٹکنے لگے پیچاں ہو کر  
 موزع میں اس لیے کھولے ہوئے بال آسے ہیں وہ  
 روح عاشق کی جو نکلے تو پریشاں ہو کر  
 ہائے اس شوخ کی شرمندگی جو رستم  
 مار ڈالا ہمیں ظالم نے پیشیاں ہو کر  
 محفل یار سے کیونکر نہ نکالے جاتے  
 ہم گئے تھے ہمہ تن حسرت و ارماں ہو کر  
 بے وفائی میں نہ تھا یار سے کم عید شباب  
 چلے یا صبح کو اک رات کا سماں ہو کر  
 نہ رہے ہم سے یہ بخت تو کیا غم ہی جلال  
 دیکھتے رہتی ہی کس کی شب بھراں ہو کر

مشاہرہ قدیم سے ہٹ کر اردو و سنسکرت میں ایک جدید روش پیدا کرنے کا خیال سب سے پہلے انھیں کو آیا تھا آزاد کی طرز تحریر نظم و نثر دونوں کی توفیق کی محتاج نہیں۔ بیان کی لطافت زبان کی سلاست بندش کی چستی اور محاورے کی دل آویزی سب کچھ ان کے یہاں موجود ہے ان کی کثیر تصنیفات میں دربار اکبری، نیرنگ خیال، سخنران پارسی، آب حیات مشہور اور مقبول ہیں۔ ان کے کچھ کلام مجموعہ نظم و نثر کے نام سے چھپ گیا ہے مشاعرہ میں ایکسا و ماغی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن اس وقت بھی عالمانہ خیالات ہی و ماغی میں چکر لگاتے تھے جس کی جھلک "سپاک و نمک" میں پائی جاتی ہے جو اسی زمانہ جنون کی تصنیف ہے۔ سنسکرت میں بنظام اہورا مقال ہوا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

(۱۳۸)

### خسروا من کا دربار علم

پر عجب شان سے وہ مرد خوش اعمال ہے  
بریں جیہ عربی سہ پہر عمامہ کالا  
ان کی مقدس فضیلت کو بتا جاتا تھا  
رج کی عینک نے مگر شان بڑھائی تھی بہت  
اور جھکا یا تھا بڑھاپے کی نہیں گئی ہے

دقت دیکھا کہ اک پیر کس سال کے  
جسم پر نور میں پختہ ہوئے جامہ کالا  
پانوں تک شملہ دستار جو آہتا تھا  
لاغری چہرہ پہ ہر چند کچھائی تھی بہت  
شان و تہاریش مقدس میں کیا پیری نے

<p>دیکھو جو گھر کو سب رو دیوار تھے سفید سنسان جنگل و درختوں کی مائیں مائیں طوفانِ برف سر پہ کھڑا ہی تھا ہوا موسم بھی معتدل ہی ہوا ہی بہک گئی پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں کہ ہیں</p>	<p>باہر چلو تو دامن کو ہمارے تھے سفید چاروں طرف پہاڑ ہیں ہیں وڑتی بلائیں ہر پہ درہ کہ موت کا منہ ہی کھلا ہوا خوشبو کا ہی یہ حال کہ دنیا ہمک گئی جو زیرِ بم کے دور سے ہیں سڑا ہیں</p>
--	--

### صبح کا سماں

<p>ناگہ فلک پہ دامنِ شب چاک ہو گیا منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فٹ ہوا رو سے سحر پہ شان تھی نور و ظہور کی وہ گہری سبزیوں میں گلِ ترکی لالیاں وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا سبزی جو رو سے خاک پہ نچل بچھا گئی</p>	<p>لبریز نور سے طبعِ خاک ہو گیا گلگوند لے کے سامنے رنگِ شفق ہوا چاروں طرف وہ زمزمہ خمائیِ طیور کی اور لوں سے بھری ہوئی پھولوں کی پالیاں اور جھوم جھوم کر وہ رخ گل کا چومنا شبِ نیم تھی اُس کے رات کو موتی گر گئی</p>
---	--

پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے تھکتے  
پارے کے سانپ گھاس پہ لہر کے تھکتے

مجھے خوں رولا رہا ہے ترا دم بدم تر پنا  
 ترے غم میں آہ کبے ہوں میں انکسبار سو جا  
 ابھی دھان پان ہی تو نہیں عاشقی کے قابل  
 یہ پیش کا آہ شیوہ نہ کرا تھنیا سو جا  
 نہ ترپ زمیں پہ ظالم تجھے گود میں اٹھا لوں  
 تجھے سینہ سے لگا لوں تجھے کرلوں پیار سو جا  
 تجھے جن کا ہی تصور ارے مست جام الفت  
 انھیں انکھڑیوں کے صدقے مرے باوہ خواہ سو جا  
 تجھے پہلا سابقہ ہی شبِ غم بُری بلا ہے  
 کہیں مرے نہ ظالم دل بے قرار سو جا

## ۶۸۔ ظہیر الہیہ

نواب مرزا سید ظہیر الدین حسین دہلوی خلف اکبر سید جلال الدین حیدر صالح  
 مرصع رقم خان استاد بہادر شاہ ظفر مرحوم۔ خاتانی ہند ذوق کے نامور شاگرد  
 تھے۔ دربار شاہی سے چودہ سال کی عمر میں راقم الدولہ کا خطاب مع قلم لٹائی ہی  
 عطا ہوا تھا۔ دور موجودہ کے اساتذہ دہلی میں سربراہ آوردہ تھے۔ غزلِ قصیدہ

ہمیں بھی یاد ہیں حسرت کی زیم آرائیاں کیا کیا  
 چلی آتی ہر اتراتی ہوئی کچھ کو سے جانناں سے  
 ہسی ہر رشک کی بو میں نسیم بوستاں کیا کیا  
 قدم رکھتے نہیں ہیں وہ زمیں پرستے نیازی سے  
 بڑھا جاتا ہر یاں شوقِ سجدِ آستان کیا کیا

ظہیر خستہ جاں سچ ہر محبت کچھ بُری شہی ہر  
 مجازِ می میں حقیقی کے ہوسے ہیں امتحان کیا کیا

۱۸۳

یہ رنگِ الفت اگر نہ ہوتا تو کچھ خدائی میں کم نہ ہوتا  
 کسی پر کوئی نہ جان دیتا کسی پہ جو رستم نہ ہوتا  
 عروجِ شایانِ ظلم ہوتے تو لطفِ رواں نہ ہوتا  
 مرنے محبت کے کون لیتا جو میں قبیلِ ستم نہ ہوتا  
 اگر نہ کرتے وہ کج ادائی تو کچھ عداوت سے کم نہ ہوتا  
 جو یہ نہ ہوتی تو کیا نہ ہوتا جفا نہ ہوتی ستم نہ ہوتا  
 غلط ہوش کو کہ وہ نہ آئے مجھے تو ہر طرح موت آتی  
 اگر وہ آتے تو جی نہ جاتا کہ فرطِ شادی سے مرنے نہ ہوتا

رکھتے تھے۔ تاریخ وفات ۲۹ اگست ۱۹۱۷ء ہادی دوان غنیمت طبعو مدہی کلام  
۱۹۱۷ء

## ۱۲۲- غزل

بھلوں سے بھلا اور بڑوں سے بُرا ہی  
زمانہ میں کوئی کسی کا ہوا ہی  
یہ تیشہ بھرا ہی یہ ساغر دھرا ہی  
ادا سے ادا جب نہ ہو پھر تو کیا ہی  
یہ تیر دعا ہی وہ تیر ادا ہی  
ہیاں بھی خدا ہی وہاں بھی خدا ہی  
زمین فتنہ گر ہی فلک فتنہ زار ہی  
نہ تم مانتے ہو نہ دل مانتا ہی  
نہیں ہم تو واقف خدا جانتا ہی  
جہنم میں بھی اک طرح کا مزا ہی  
جو یہ طی ہوئی پھر خدا ہی خدا ہی  
محبت جو کی تھی یہ اُس کی سزا ہی

یہ دل آشنا اور نا آشنا ہی  
نہیں ہی اگر تو ہمارا تو کب ہی  
پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزا ہی  
مزا ہی یہی باتیں بات سننے  
نشانہ بنے دیکھے کونسا دل  
کریں بت کدہ سے عبت قصد کمر  
کہاں جاے انسان ان سے نکل کر  
شب و صبح کس طرح طی ہو یہ جھگڑا  
کو پھر تو گھبرا کے ذکرِ عدو پر  
یہ کافر حسین اک جگہ جمع ہوں گے  
بہشت دور ہی منزلِ دوست اور دل  
کوئی بے وفاؤں کے دم میں نہ آے

ہمارے بھی ہر امتحان میں یہ آصف



اجل کو ڈھونڈنے نکلا شبِ تاریک ہجرال ہیں  
 نظر کرا دستِ گربط باہم اس کو کہتے ہیں  
 کہ پریکاں دل میں ہی دل ناز برداری پریکاں میں  
 ہوا میں زندہ جاوید ہو کر قتل اور قاتل  
 بھی تھی کیا تری ٹمٹیر موج آبِ جواں میں  
 جھکا دو شرم سے عالم دکھا کر قدموزوں کا  
 اٹھایا ہو بہت سروہی نے سرگستاں میں  
 چلو گھر خاک بھی ڈالو حنا کا خون ہوتا ہی  
 کفِ افسوس ملتے ہو کھڑے گنجِ نہیال ہیں  
 حسینوں سے بگڑنا اور دل کو داغ دیتا ہی  
 بہت رونی زلیخا بھیجکر یوسف کو زنداں میں

ڈراتا کیوں ہی اترِ قسلیم واعطٰ تجھکو دوزخ سے  
 مراحہ نہیں ہی کیا خدا کے فضل و احسان میں

(۷۱) بیچود - ۱۲۱۹ھ

بیچود - مولوی عبدالحی - تخلص بیچود - خلف مولوی غلام سرور صدیقی - بدایونی

اپنی خوے وفا سے ڈرتا ہوں	عاشقی بندگی نہ ہو جاے
--------------------------	-----------------------

کہیں بچو و تھاری خود داری	مانع بے خودی نہ ہو جاے
---------------------------	------------------------

۱۷۷۔ قطعہ
-----------

<p>ازل میں او ویش کا جو حکم عام ہوا          کسی کو عالم طفلی کا عیش اور آرام          کسی نے دولت ارمان و آرزو پائی          کسی کے بانٹ میں قسمت سے شوخیال میں          کسی کی جان کو تکلیف انتظار ملی          کسی کو پردہ نشینوں کا غم نصیب ہوا          جو عاصیوں کے بارے میں مصیبت لگی          کسی کی بات نے ایجاد عیسوی پایا          کسی کو ذوق کباب جگر حصول ہوا          کسی نے عشوہ گرو کج نظر لقب پایا          کسی کے جھٹ پائی سپہر کی گردش</p>	<p>تو سب کو مال ضروری علی الحساب ملا          کسی کو راحت عشرت بھر شباب ملا          کسی کو خلعت اندوہ و فطراب ملا          کسی کو ترم غایت ہوئی، حجاب ملا          کسی کے دل کو غم ہجر کا عذاب ملا          کسی کو عشق رخ یاہے نقاب ملا          تو زاہدوں کو طریق سو صواب ملا          کسی کے قلب کو آزار التہاب ملا          کسی کو شوق قدح نوشی شراب ملا          کسی کو بے خود شوریدہ خطاب ملا          کسی کے دل کو زمانے کا انقلاب ملا</p>
---	---

<p>وہ بھی تجھیں کا قول رنجیں کی قسم ہوا نقشِ اُمید۔ پار کا نقشِ مستدم ہوا آنکھیں بھی ان کی جھجکتیں غصہ بھی کم ہوا مجھ پرستم ہوا تو تجھیں پرستم ہوا دل میں سرورِ وصل بھی آیا تو غم ہوا</p>	<p>ٹوڑا ہمارے دل کو بتوں نے قسم ہوا اپنی گلی میں کچھ کے ہم ہوئے ہیں خوش کیسا مری دفن نے پشیمان کر دیا دونوں طرف ہو جڑ ہی لایک جان یک محروم عیش میری طرح دوسرا کہاں</p>
---	--

احسان منبٹ کرنے سے احتیاطِ عشق  
دل سے بہت ہوا مگر آنکھوں سے کم ہوا

## (۳۷) حالیؒ

حالیؒ شمس العلماء و نواب الطاف حسین خٹک تھا اچھے اندیش انصاری مولد پانی پتہ  
۱۲۳۷ء میں پیدا ہوئے بھائی میں وہی آگئے تھے۔ ابتداء حضرت شیفتہ  
سے کلام میں اصلاح لیتے تھے۔ بعد ازاں دو فارسی دونوں کلام مرزا غالب کو  
دکھانے لگے اور آپ کے ارشاد تلامذہ میں داخل ہوئے چالیس بیٹا بیس  
سال کی عمر تک قدیم طرز میں غزل کہتے رہے ۱۲۷۷ء میں جب کہ سرسید احمد  
محرم مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے ایک نئی روح بھونک رہے تھے اور نئے لہجہ  
علی گڑھ قائم ہوئے صرف چار سال گزرے تھے۔ حالیؒ پر مسیّد کی نظر پڑی اور وہ یہ  
کہا اٹھے

## ۱۹۹۔ بعثت ختم المرسلین

وہ نبیوں میں رحمت لوقب پاؤ والا	مرا میں غریبوں کی برلائے والا
مصدبت میں غریبوں کے کام لے والا	وہ ایک پرلے کا غم کھانے والا
فقیروں کا بچا۔ صغیروں کا مادے	
غلاموں کا والی۔ غلاموں کا مولے	
خطا کار سے در گزر کئے والا	بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو نہ رہ۔ و تیر کرنے والا	قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوسے قوم آیا	
اور اک نسخہ، یکمیا ساتھ لایا	
مس خام کو جس نے کندہ بنایا	کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پر قریب سے تھا جہل چھایا	پلٹ دی بس اک آن ہیں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج ہلا کا	
ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا	
پڑی کان میں دھات تھی اک نئی	نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی
طبیعت میں جو اس کی جوہر تھے صلی	ہوے سب مٹی میں مل کر وہ مٹی
پہ تھا ثبوت علم قضا و قدر میں	

## ۱۵۰۔ خلافتِ امدس

کوئی قریبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے	مساہد کے حراب و درجا کے دیکھے
جہازی ایروں کے گھر جا کے دیکھے	خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے

جلال ان کا کھنڈروں میں ہر پل چمکتا  
کہ ہو خاک میں جیسے کتہ کن و کتنا

## ۱۵۱۔ خلافتِ بغداد

وہ بلدہ کہ فخر بلا و جہاں تھا	تزو خشک پر جس کا سکہ رواں تھا
گڑا جس میں عباسیوں کا نشان تھا	عراق عرب جس سے نیک بنانا تھا

اڑاے گئی بادِ پندار جس کو  
بہاے گئی سیلِ تانار جس کو

سُنے گوشِ عبرت سے جا کے لے لیا	تو واں ذرہ ذرہ یہ کرتا ہوا عللاں
کہ محتاجِ دونوں مہرِ اسلام تاناں	ہوا یاں کی تھی زندگی بخشِ دوراں

پڑھی خاکِ ایتھنز میں جاں ہیں سے  
ہوا زندہ پھر نامِ یوناں ہیں سے

نہیں لائے گو برگ و بار اُن کے پڑے نظر آتے ہیں ہونہار اُن کے پڑے	
پھراک باغ دیکھے گا اجڑا سر اسر نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر	جہاں خاک اُڑتی ہی ہر سو برابر ہری ٹہنیاں چھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل ہوے روکھ جس کے جلانے کے قابل	
جہاں نہ ہر کام کرتا تھا بار اراں ترودے جو اور ہوتا ہی ویراں	جہاں آکے دیتا ہو روا پر نیساں نہیں رہیں جس کو خزاں اور بہاراں
یہ آواز پیہم دہاں آ رہی ہو کہ اسلام کا باغ ویراں یہی ہو	
وہ دینِ جازی کا بیاک بیڑا مزاحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا	نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا نُعمان میں ٹھٹھکا نہ قلم میں جھجکا
کیے پڑ سپر جس نے ساتوں سمندر وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آکر	
(۱۵۳) اُمید سے خطاب	
بس ای نا اُمیدی نہ یوں لُبھچا تو	جھلک اُمید اپنی آخر دکھا تو

	چلے سب جھڑھ توئے مالِ عناں کی نظر تیری سیٹی پہ ہی کارواں کی	
نوازا بہت نے نواؤں کو تو نے	تو نگر بنایا گداؤں کو تو نے	
دیا دست رسِ نارِ ساؤں کو تو نے	کیا بادِ نشہ ناخداؤں کو تو نے	
	تسکندہ کو نشانِ کئی تو نے بخشی کلبیس کو دنیا نئی تو نے بخشی	
وہ رہ رہو نہیں رکھتے جو کوئی سماں	خوردنِ دسے جن کا خالی ہر داماں	
نہ ساعلی کوئی جس سے منزلِ یکساں	نہ محرم کوئی جو سُنے دردِ ہنہاں	
	ترے بل پہ خوش خوش ہیں اس طرح جا کہ جا کر خزانے ہیں اب کوئی پاتے	
زمین جو تنے کو جب اٹھتا ہی جوتا	سبیں کا گماں تک نہیں جبکہ ہوتا	
شب و روز محنت میں ہی جان کھوتا	جہینوں نہیں پاؤ پھیلا کے سوتا	
	اگر موجزن اس کے دل میں نہ تو ہو تو دنیا میں غل بھوک کا چارسو ہو	
بہنے اس سے بھی گرسوا اپنے دم پر	بلاؤں کا ہوسا منا ہر قدم پر	
پھاڑ اک قروں اور ہو کوہِ غم پر	گزرنی ہو جو کچھ گزر جائے ہم پر	
	نہیں فکر تو دل بڑھاتی ہی جب تک	

دوستو! دل نہ لگانا۔ نہ لگانا۔ ہرگز  
 دیکھنا! شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز  
 زد میں تیرے صفت مرگاں کی نہ جانا ہرگز  
 کسی لالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز  
 تو جوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز  
 آکے دیوانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز  
 قدریاں رہ کے اب اپنی نہ گنونا ہرگز  
 نہ مٹنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز  
 ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ مڑانا ہرگز  
 در داگیر غول کوئی نہ گانا ہرگز  
 کوئی دل چسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز  
 دیکھنا! ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز  
 دیکھ! اس شہر کے کھنڈوں میں نہ جانا ہرگز  
 دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز  
 اگر فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

جیسے جی موت کے تم منہ میں جانا ہرگز  
 عشق بھی تاک میں بیٹھا نظر بازوں کی  
 نال کی پہلے ہی رسم کو نصیحت یہ بھٹی  
 چاہت اک طلعتِ مکروہ ہر برق میں نہاں  
 ہاتھ ملنے نہ ہوں پیری میں اگر ہر سے  
 جتنے لرمنے تھے ترے ہونگے ویراں عشق  
 کوچ سب گئے دلی سے ترے قد قناس  
 تذکرہ دہلی مرحوم کا اگر دوست نہ چھڑ  
 داستان گل کی خزاں میں سناؤ بلبل  
 ڈھونڈنا ہر دلِ شوریدہ بہنا۔ مطربِ بنا  
 صعبتیں اگلی مصور! ہمیں یادِ سنگی  
 موزن دل میں ہیں غل کے دریا چشم  
 لے کے داغ آئے گا سینے پر بہت امی تیاج  
 چپے چپے پر ہیں یاں گوہر کیا تہ خاک  
 مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی اب تو



## ۱۵۶۔ قصیدہ عرض حال بحباب سرور کا سنا قسم

<p>اُمّت پہ تری اکے عجب وقت پڑا ہر          پردیس میں وہ کج غریب الغریب ہر          خود آج وہ ہمان سرے فقرا ہر          اب اس کی مجالس میں نہ بچی نہ دیا ہر          اب اس کا نگہبان اگر کسی تو خدا ہر          اس دین میں خود تفرقہ اب کے پڑا ہر          اس دین میں خود بھائی سے ابھائی جدا ہر          اب جنگ و جدل چار طرف اس میں پڑا ہر          اُس دین میں بے فقر ہر باقی نہ غنا ہر          وہ عرضہ تیج جھٹلاؤ سُنفا ہر          اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ دہا ہر          دینداروں میں پرآب ہر باقی نہ صفا ہر          منہم ہر سومغرور ہر مفلس ہو گدا ہر          یہ غلبے اعیان ہر وہ بزم شرفا ہر          پیاروں میں محبت ہر نہ یاروں میں وفا ہر</p>	<p>ای خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہر          جو دین بڑی شان سے نکلتا تھا پلن سے          جس دین کے مدعو تھے کبھی سینہ و کسٹر          وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں          جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہاں          جو تفرقے اقوام کے آیا تھا نشانے          جس دین تھے غیروں کے دل اکے ملائے          جو دین کہ ہم دردِ بنی نوع بشر تھا          جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر غنا بھی          جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کے          جس دین کی جنت سب ادیان کے مغلیہ          ہر دین تر اب بھی وہی چشمہ صافی          عالم ہر سوبے عقل ہر جاہل کی سوچنی          یاں لگ پردنات تو وہاں نگہ بنے روز          چھوٹوں میں طاعت ہر نہ شفقت ہر بڑوں میں</p>
---	---

شکوہ ای زمانے کا نہ قسمت کا کلا ہی  
 سچ ہی کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہی  
 اور برف میں دبی ہوئی کشتہ کی ہو ہی  
 اور دوش پہ یاسوں کے وہی نہر داہ  
 اور بٹھکے گھوڑے نا وہی یاں قصدِ ثنا ہی  
 وال قافلہ سب گھر سے ہی سوت چلا ہی  
 اور سکھ رواں شہر میں مدت سے نیا ہی  
 بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہی  
 دنیا پہ ترا لطف سدا عام باہی  
 جب تو نے کیا نیک لوگوں سے کیا ہی  
 کی اُن کے لیے تو نے بھلائی کی جا ہی  
 کھانے میں جھوٹ کہ تجھے زہر دیا ہی  
 ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہی  
 منقول انھیں سے تری پھر مدح و ثنا ہی  
 اعدا سے علاموں کو کچھ اُمید سوا ہی  
 خطروں میں بہت جن کجاڑا کے گھرا ہی  
 دل دادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہی

جو کچھ ہیں ہر سب ہی اٹھوں ہیں گت  
 دیکھے ہیں دن اپنی ہی غفلت کی بدولت  
 کی زبیر بدن سب نے ہی پوشاک کٹاں کی  
 درکار ہی ایں معر میں چرخِ فضاں  
 دیر پا پُر شوب ہو اک اہ میں حال  
 ملتی نہیں اک بوند بھی پانی کی جہاں صفت  
 یہاں نکلے ہیں سودے کو درم لیکے پُر  
 فریاد ہی اسی کشتی اُمت کے گم ہواں  
 اسی چشمہ رحمت با بی اُنت صاف ہی  
 جس قوم نے گھرا وطن تجھ سے چھریا  
 صدمہ دہر دنداں کو ترے جن سے کہ پہنچا  
 کی تو نے خطا عفو ہی ان کینہ کشوں کی  
 سو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترمیم  
 جو نے ادبی کرتے تھے شمار میں تیری  
 بڑاؤ ترے جبکہ یہ اعدا سے ہیں اپنے  
 کرحق سے دعا اُمت مرعوم حق ہیں  
 اُمت میں تری نیک بھی ہیں بے بھی لیکن

## (۷۴)، اوجِ سالہ

اوج۔ میرزا محمد جعفر خلیف الموشید حضرت دبیر عربی۔ فارسی کی اچھی استعداد تھی۔ علم و فن میں کمال تھا اس فن میں آپ نے ایک رسالہ بھی تالیف کیا تھا۔ جو اردو کی دنیا میں نہایت مقبول ہوا۔ جعفری یکم صاحبہ کے اوقات سے ان کو مرچنگا کے محلے میں ایک ہزار روپیہ سالانہ ملتا تھا۔ بعض لفظ دارالان اودھ بھی قسروانی فرماتے تھے۔ آپ اپنے باپ کے قابلِ فخر یادگار تھے، سلام، مرثیہ۔ رباعی۔ سب کچھ کہتے تھے۔ مگر تمام اصنافِ سخن میں آپ کے سلام مطبوعہ خلافتِ ہند شریکس کی عمر پائی۔ ۱۳۹۷ مطابق ۱۳۳۵ء میں انتقال کیا۔

سلام کا انتخاب یہ ہے

## ۱۵۷۔ سلام

خواہشیں دنیا کی بار و دوش و گردن ہو گئیں  
رفتہ رفتہ منزلِ عقبی کی رہزن ہو گئیں  
یہ ہوا کیسی چلی اس تنگ ناسے دہر میں  
شہرِ جنگل ہو گئے۔ آبادیاں بن ہو گئیں

گورنمنٹ سنٹرل نارل اسکول اگرہ میں مدرس فارسی تھے۔ جدید طرز کی نظم  
 لکھنے والے شعرا میں ممتاز تھے۔ اردو کے ساتھ فارسی بھی کہتے تھے۔ اردو مدارس کے  
 ابتدائی درجوں میں ان کی مصنفہ کتا میں عرصے تک رایج رہیں۔ گورنمنٹ نے ان کو  
 "مفتاح صاحب" کا خطاب دیا تھا۔ زبان کی سلاست، مضامین کی سادگی سے کلام کو  
 ایسی مقبولیت ہوئی کہ بچوں کو ان کے اشعار نوک زبان ہو جاتے ہیں۔ کلیات اسماعیل  
 نہایت اہتمام سے شائع میں چھپ چکا ہے۔ یکم نومبر ۱۳۳۵ء کو انتقال ہو گیا  
 کلام کا انتخاب یہ ہے۔

### (۱۵۸، غزل)

نہ چلے خیر پاتا۔ نہ گناہ گار ہوتا  
 نہ کبھی نشہ اترتا۔ نہ کبھی خمیاں ہوتا  
 اگر اپنی زندگی پر مجھے اختیار ہوتا  
 نہ سنا کوئی سفینہ کبھی اس پار ہوتا  
 کہ جو تم سے کوئی کرنا تمہیں ناگوار ہوتا

جو بھلے بُرے کی انکل نہ مراشتہ ہوتا  
 جو بُرے خودی کا ساتھی! مجھے ایک جگہ بس تھا  
 میں کبھی کامر بھی رہتا۔ نہ غم فراقی ہوتا  
 یہ جو عشق جاکتاں ہے۔ یہ وہ بھرے کل ہے  
 کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

ہی اس انجمن میں یکساں عدم و وجود میرا  
 کہ جو میں یہاں نہ ہوتا۔ یہی کاروبار ہوتا

<p>راتوں سے زیادہ خوب تھا دن          تھی دید جمال۔ شب ہو یا دن          تھا عمر میں بس وہی بڑا دن          ہر رات جدیدہ۔ اور نیا دن          تھی شب کو مسرت اب ہوا دن          رہتے نہیں ایک سے سدا دن          بجلی ہوئی رات اور ہوا دن</p>	<p>تھی رات بہت دنوں سے اچھی          تھی بزم وصال۔ دن ہو یا رات          دنیا میں بزرگ تھی وہی رات          ہر صبح عجیب۔ شام تا در          تھی دن کو خوشی کہ اب ہوئی رات          عالم کو زبیں کہ ہر تغصیر          تھا خواب و خیال وہ زمانہ</p>
---	---

دن رات یہی فعال ہر لب پر  
 وہ رات رہی نہ وہ رہا دن

اکثر بندھے ہوئے ملینگے۔ حضرت وحید الدہ آبادی شاگرد آتش سے تگڑا دو دیوان مشائخ ہو چکے ہیں جو کلیات اکبر کے نام سے مطبوع خاص و عام ہیں۔ صوبہ متحدہ میں بج رہے تھے مسئلہء میں نشن پائی۔ مسئلہء میں خان بہادری کا خطاب ملا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

## ۱۶۱ غزل

نئی تہذیب ہو گی اور نئے سامان ہم ہونگے  
نہ ایسا بیچ زلفوں میں نہ کیسویں نیم ہونگے  
نہ گھو گھٹا اس طرح سے حاجب دئے صنم ہونگے  
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب علم ہونگے  
نہ نستعلیق حرف اس طرح سے زریب رقم ہونگے  
کھلیں گے اور ہی گلی زمرے طبل کے کم ہونگے  
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتیلے صنم ہونگے  
گر بے جوڑ ہونگے اس لیے بُنا لقم ہونگے

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہونگے  
نئے عنوان سے نیت دکھائی گئے حسین اپنی  
نہ خاتونوں پر و جائیگی پروے کی یہ پابندی  
ہل جائیگا انداز طبع و دو گر دوں سے  
نہ پیدا ہو گی خطر شخ سے شان ادب الگ  
نہ دیتی ہو تبدیل ہوا تحریک موسم کی  
عفا پر قیامت ڈھائیگی ترمیم ملت کی  
بہت ہونگے معنی نعمہ تقلید یورپ کے

سے اس تذکرہ کی تالیف کے وقت خان بہادر صاحب بقید حیات تھے۔ لیکن مطبع میں مسودہ بھیجے جانے کے بعد ۲ ستمبر ۱۹۱۹ء کو انتقال ہو گیا۔

علامہ آپ نے حال میں ایک نئی کتاب "فکرِ بلخ" لکھی ہے جس میں اردو کے تاریخی حالات - میراثیں - دبیر - صنمیر - خلیق وغیرہ مشہور مرثیہ گو شعرا کے سوانح ان کے کلام کا انتخاب و اس پر تنقید ہے۔ اس کی اشاعت سے اردو ادب میں مفید اضافہ ہوگا۔ افسوس ہے کہ آپ کا کلام دیوان کی صورت میں اب تک شائع نہیں ہوا۔ ۱۹۷۱ء میں گورنمنٹ سے خان بہادری کا خطاب پایا اور ۱۹۷۱ء میں پبلک نے ادبی خدمات کا اعتراف کر کے سپریشعر کے لقب سے ممتاز کیا۔ کلام کا نوٹہ یہ ہے۔

### ۱۶۲ غزل

شکوہ کریں تو کیا کریں جان بہانہ باز کا  
لب بھی ہلانا منع ہو مجھ سے ہین راز کا  
دیکھ سکا نہ جو سماں دیدہ نسیم باز کا  
آگے قدم نہ بڑھ سکا ہمت سرفراز کا  
مجھ کو بھی نام یاد ہی اپنے گدا نواز کا  
جانے دے دلوں نہ پوچھ عاشق پاکباز کا  
تو کر کسی نے کیوں کیا اُن کی نگاہ ناز کا  
دل کو بنایا خدا جس نے مرے جہاز کا  
کوئی علاج کیا کرے ایسے زباں دراز کا

ہم سے نہ حق ادا ہوا عشق کرشمہ ساز کا  
ہجر ہیں اسے دل حزیں جو ہوا خیر وہ ہوا  
ہو گی جب اپنی آنکھ بند - آہنگا وہ بھلا بھی  
پوسٹہ سنگ آستان مل نہ سکا ہزار حیف  
اسے دل مضطرب ٹھوڑا وقت سوال بھی تو ہو  
جلوہ حسن کی طرف دیکھ تو کچھ پست چلے  
کشتہ چشم رہ گیا کھول کے آنکھ اُسی طرح  
پار گھائی گدا ہی اپنی شکستہ ناؤ بھی  
اُن کے پیام کا جو اب اس نے کہا کہ نالہ

عشاق کی بیباکی کے عوض اسے ابرو بڑاں کچھ نہ کیا  
اٹا نہ عراق و شام و حلب دنیا ہوئی ویراں تو کیا  
جل تھل نہ لہو سے تو نے بھرا تو خون مسلمان کچھ نہ کیا

اسے ننگ جہاں اسے شاد و بتا کچھ آئی تجھ کو شرم حیا  
اسے جہل مرکب اسے جوان اسے بے خبر انساں کچھ نہ کیا

(۱۶۶)

وہ کیسی نعمت تھی اسے محبت کہ جس نے ہر شخص کو مٹایا  
نہ نفیست ہونے کا جی میں کھٹکا نہ ہمت کا لطف کوئی لایا  
نظر میں ویراں ہو بزم عالم بغیر دل کے یہ ہم نے پایا  
جو دل پہ الزام ہو گیا کیوں ہمیں نے خود دے کے کیا بنایا  
امیدوار وہ بھی کس کی اسے دل وصال سی ٹوکی۔ ان نہ کچھ کہہ  
ہمیشہ دھوکے پہ کھائے دھوکے ہمیشہ رہ رہ کے آزمایا  
کہاں یہ ریش سفید اپنی کہاں جاؤں کی بزم ساقی  
براہو اس شوق کا الہی ہمیں بھی کافر لگا کے لایا  
آنہیں جو منظور دیکھنا ہو تو آکے ایسے میں دیکھ جائیں  
یہاں سہارا مرین غم نے چرخ رہ رہ کے جھلایا  
جناؤں شہ منصفی سے یہ تذکرہ کر رہا ہوں دل کا



ترے گلستاں میں بلبلِ دل خزاں رہی ہی خزاں رہی  
 شبابِ شاعرِ عہدِ پیری۔ کلام کا زور کم نہ ہوگا  
 رہی جتن تک کہ جاں بدن میں طبیعت اپنی رواں رہی  
 وہ نعمتیں ہیں تری خدا پاکہ وجد ہوتا ہے جن سے دل کو  
 رہی فرطِ طرب سے رقصاں دہن میں جب تک نہاں رہی

چھپاؤں میں لاکھ سوزِ غم کو فناں کا شعلہ بھڑک اٹھیکا  
 دل و جگر جب اثرِ جلیں گے یہ آگ کیونکر نہاں رہی

۱۶۸

جفا پر دوسے امید وفا کیا  
 غرضِ دلدادگی کی چاہتے ہیں  
 نہیں جب جو ہر مردِ شناسی  
 سپاسِ طلعِ نیکو چہ معنی  
 عدو سن کر نہ چوے دستِ قاتل  
 سراپا جلوہ رنگِ وفا ہی  
 عدو کے جو رکا تجھ سے گلا کیا  
 کمر و میں اُن سے عرضِ دعا کیا  
 ستائشِ بائے دشمن کا گلا کیا  
 تسکایتِ بائے بختِ نارسا کیا  
 دہانِ زخمِ شورِ مرہب کیا  
 دلِ خوئے گشتہ کے آگے خفا کیا

قطعہ

صبا آورہ و گلِ نذرِ صبر  
 چمن کی ہو گئی اگلی ہوا کیا

<p>توں کے ملنے جلنے پر نہ جانا اے دلِ ناداں          بڑھا کر ربط کر دیتے ہیں کم ایسا بھی ہوتا ہو</p>	<p>ہیں بزمِ عدو میں وہ بلاتے ہیں تمنا سے          کرم ایسا بھی ہوتا ہو ستم ایسا بھی ہوتا ہو</p>
<p>ہو اگر تا ہی سب کچھ اے امرا اس کی خدائی میں          کریں دعویٰ خدائی کا صنم ایسا بھی ہوتا ہو</p>	<p>۱۶۰</p>

<p>اے نورسیدگانِ جوانی ذرا سنبو          اک دن وہ تھا کہ ساقی ہوش تھا اپنی پر          وہ بہت کہ دل کو حلقہ و ام ہلا میں لائیں          آنکھوں کے سامنے سے الہی کہ صر گئے          اجاب بزمِ جتنے تھے سب ہو گئے ہوا          پیتے تھے ہم شرابِ مہتاب میں          زلین تھیں جن کی تابہ کم تر سچ و تاب میں          اب تو نظر بھی آتے نہیں ہم کو خواب میں          گو با شراب پیتے تھے جامِ حباب میں</p>	<p>ہر خطہ ان کی یاد میں رو میں نہ کیوں اثر          تصویریں ان کی پھر تھی ہیں چشم پر آس میں</p>
---	---

<p>سنا حال دل پر کہا کچھ نہیں          مستد رہیں جو تھا وہ تم نے کیا</p>	<p>مگر کان دھر کر سنا کچھ نہیں          بتو تم سے ہم کو گلہ کچھ نہیں</p>
--	--

## ۹، حافظ ۱۵۲

حافظ - قاضی طویل الدین بن ولد قاضی بشیر الدین احمد صدیقی عبدالرحمانی  
 پہلی بہیت کے شرفا میں ہیں اور وہیں وکالت کر سکتے ہیں۔ آنرییری مجسٹریٹ  
 بھی ہیں۔ حافظ قرآن ہیں۔ دو مرتبہ حج کعبہ زیارت روضہ منورہ آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو چکے ہیں۔ ہندوستان کے نذرت گوترا میں  
 آپ کا کلام بہت مشہور ہے۔ اپنے ناموں قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز کے  
 شاگرد ہیں۔ فارسی شعر گوئی کا بھی ملکہ ہے۔ علم و فن و معانی و بیان پر عبور ہے نہایت  
 ستر اوصاف اور پاکیزہ شعر کہتے ہیں۔

کلام کی تنقید اور شعر کے صن و قبح سمجھنے میں حداداد ملکہ ہے۔ وضع دار خوش افلاکی  
 ہیں ۶۹ سال کی عمر ہے۔ پانچ دیوان نعتیہ نظامی پریس بدایوں میں طبع ہو چکے ہیں  
 چھٹا مرتب ہے۔ عاشقانہ شاعری چالیس برس سے ترک کر دی ہے۔ آپ کی تاریخ  
 پیدائش ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۵ رمضان ۱۲۵۷ھ بمطابق ۱۸۴۱ء کا نام یہ ہے۔

## رباعیات

دنیا تیری قدرت کی نمائندگی ہے ۱۴۳  
 چھاٹی ہوئی سب پر تری بکھائی ہے  
 جلوہ ہے دوئی میں بھی تری وحدت کا ۱۴۴  
 دو آنکھیں ہیں اور ایک بینائی ہے

۱۴۴

دنیا سے ضرور کوچ کرنا اک روز ۱۴۵  
 ہو سرحد ہستی سے گزرا اک روز

## ۸۰ شوقِ سہ ماہی

شوقِ شیخ احمد علی ولد کاظم علی قدوائی۔ قصیدہ جگور ضلع بارہ بنکی کے باشندے ہیں تقریباً سہ ماہی کا سال ولادت ہوا۔ فن شعر میں حضرت اسیر کے شاگرد ہیں۔ سادگی۔ بے تکلفی اعلیٰ جذبات کے سوا۔ اردو کے محاورے نظم میں خوب کھیلتے ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم بدایوں کے اسکول میں ہوئی۔ اس کے بعد ریاست رام پور میں طالب علمی کرتے رہے۔ عرصہ ہوا کہ لکھنؤ میں آزاد نامی اخبار نکلا لانتھا۔ اُس کے بعد پرتاب گڑھ اور بیوپال میں ملازم رہے۔ فی الحال ریاست رامپور میں ہیں اور دفتر حامد اللغات میں علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔  
 ڈراما ”قاسم دہرا“۔ تنہوی تراشہ شوق اور چند معنی خیز تلمیحات ان کے افکار کا نتیجہ ہیں۔ دیوان ہنوز شائع نہیں ہوا ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے:-

## غزل

روح کو آج نہ ہی اپنا وقار دیکھ کر  
 قصہ گد نہ تھا مگر حشر میں جوشِ شوق سے  
 دیکھ کے ایک ایک انھیں دل سے تو ماتہ دھونے  
 آتے ہیں وہ تو پہلے ہی رنج سے صفا ہو چکے  
 وصل سے گزرے لے خدا ہاں بیگون چاہیے  
 اُس نے چڑھائیں تیوریاں میرا قرار دیکھ کر  
 ہاتھ مرا نہ ٹک سکا دامنِ یار دیکھ کر  
 دیکھیے کیا گزرتی ہے دوسری بار دیکھ کر  
 اُس کے کہیں ہلٹ نہ جائیں میں غبار دیکھ کر  
 صبح کو ہم اٹھا کریں روئے نگار دیکھ کر

ہزاروں حسرتیں لیں سے ہمارے ہمارے  
اندلائی تاب مائوں کی جان اور چھوڑ گئی

۱۷۹

کیا حال پوچھتے ہو مجھ آشفتنہ رنگ کا  
سوداے زلف سر میں ہر ایک شیش نور کا  
پھیری نگاہِ ناز اس انداز خاص سے  
جس سے تپا ہی چل نہ سکا صلح و جنگ کا

ان ہرزہ گوئیوں سے تو نشی پڑھو درود  
سمجھے ہوئے ہو کیا یہ زمانہ امن کا

۱۸۰

شراب و ساقی و مطرب چھین یہ ہو نہیں سکتا  
شہیدِ عشق ہوں گم گشتہ وادیِ الفت ہوں  
دلِ آشفتنہ زلفِ پرتکسں کے پیچ میں آیا  
سیہ نامہ مرا کیا ابرِ رحمت دھونیں سکتا  
کہو خضر و یحییٰ سے کہ اب کچھ ہو نہیں سکتا  
قیامت تک تو پھندے سے کلنا ہو نہیں سکتا

## نظم ۱۸۸۵ء

نظم - سید علی حیدر طباطبائی لکھنؤ کے رہنے والے خاندانِ سادات سے  
طباطبائی اولاد میں ہیں۔ مختلف مشرقی علوم میں ہمارت رکھتے ہیں۔ فنِ شعر  
میں تحقیق کا مرحہ حاصل ہے۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔ آپ سب سے  
پہلے کلکتہ میں واجد علی شاہ کے شہزادوں کو عربی تعلیم دینے کے واسطے مقرر

<p>کسی پریند پر تارِ نفس جیسے بکھرے ہیں  نیم صبح کے جھونکے جہاں جا کر ٹھہرتے ہیں  وہاں سے پھر نہیں ٹپکتے جہاں پاؤں سے ہیں  غدا دل ان دنوں آئے ہوئے گلشن میں نے ہیں  کہ لے کر کشتی و تخت پر یوں کتارتے ہیں  کہ شاخیں جھومتی ہیں پھل تڑپتے ہیں</p>	<p>دیم صبح بہاری جو رخ خور پر نقابِ افکن  وہیں جا کر ٹھیکہ کا روان لالہ دگل بھی  نہا لان چن کر لیں گے قصبہ سائے عالم پر  نہیں پر جال پھیلا یا ہو کو سون لعتِ منہل نے  جوابِ جش جم ہو گئی ہو گا مہ گلشن  غدا دل لے چکے ہیں خاک میں جو کیا خبر ان کو</p>
--	--

ہنسی ہنسی میں وہ بات کہہ دی کہ رہ گئے آپ رنگ ہو کر  
 چھپا ہوا تھا جو راز دل میں کھلا وہ چہرے کا رنگ ہو کر  
 شباب و پیری آنا جانا غضب کا پہ در وہاں فسانہ  
 یہ رہ گئی بن کے گرد حسرت - وہ اڑ گیا رخ سونگ ہو کر  
 جو راز دل سے وہاں تک آیا تو اس کو قابو میں پھر نہ پایا  
 زباں سے نکلا کلام بن کر - کہاں سے چھوٹا خندنگ ہو کر  
 غضب ہو بحر فنا کا دھماکہ مجھ کو اُلجھا کے پار اُتارنا  
 نفس نے موجوں کا جال بن کر - لحد نے کام نہنگ ہو کر  
 جگر خراشی سے پانی فرصت نہ سنبھلا دی سے ناخوں نے  
 گلا گریباں نے گھونٹ ڈالا جنوں کی شورش سے تنگ ہو کر

میں نے کہا پھری یہ پھری کس گناہ پر	اس نے کہا مشیت پروردگار ہی
بوچھایا روکے میں نے کچھ اس کا نہیں علاج	بولایا منس کے وہ مجھے کیا احتیاء ہی
میں نے کہا کہ حیف تو کہنے لگا کہ حیف	
جلے قرار ہو نہ تو پائے قرار ہی	
شہیر ۸۴	۶۱۸۵۶

شہیر سید محمد نوح - خلف سید رعایت علی - آپ پھلی شہر ضلع جون پور کے  
 تعلقہ دار ہیں۔ فن سخن میں حضرت میر شکوہ آبادی سے تلمذ ہو۔ فارسی عربی میں مناسب  
 بیانت ہے۔ وکٹوریہ کالج اور آگرہ کالج میں انگریزی کی تعلیم پائی ہے۔ فرخ آباد کے  
 مشاعروں میں شریک اور مدتوں خواجہ بادشاہ سفیر خلف خواجہ وزیر مرحوم کے  
 ہمنشین رہے اور ان سے بھی افادہ سخن حاصل کیا ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت  
 ۲۵ دسمبر ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۸۳ھ ہے۔

نوٹہ کلام یہ ہے۔

سر سبز پھر مرا شجر مدعا ہوا	آئی بہار زخم جگر پھر ہل ہوا
سہرا اسی کے سر ہی شہادت کا اندوہ	ہیرا شہید ناز ہی دو لہا بنا ہوا

بھڑک اُٹھے گی یہ آگ اک دن لگائی ہو جو دل و جگر میں  
 کہ اندر اندر رُنگ رہی ہو۔ دبی ہوئی ہو جلی نہیں ہو  
 رہی ہو دل سوز سوزِ فرقت یہی ہو ہم در درِ دل پہ  
 سب سے سلامت اجل ہماری۔ ہمیں غم بے کسی نہیں ہو

نہیں رہی ہائے وہ جوانی کہ جس سے تھا لطفِ زندگانی  
 شہسیرِ پیری و بالِ جاں ہو کہ جان ہی زلیست کی نہیں ہو

## شاد ۱۸۶۲ء

شاو۔ سرسہارا جہاد کش پرشا دین سلطنتہ پیکار و سابق مدارِ ملہام دکن  
 آپ ہمارا جہد و لال آبخانی کے نوے اور جانشین ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۸ ماہ  
 جمادی الثانی ۱۲۸۵ء کو ہر روز پنجشنبہ مطابق ۱۲۸۵ء حیدر آباد میں ہوئی۔ عربی  
 فارسی۔ انگریزی کے سوا اور بھی چند زبانوں پر عبور ہے۔ اردو۔ فارسی اور بھاشا  
 میں نظم و نثر قلم برداشتہ لکھتے ہیں۔ آپ کی طبیعت کارِ جہانِ تصوف کی  
 طرف بہت بڑھا ہوا ہے۔ بزرگوں کی خدمت اور کتب بینی نے آپ کے  
 اس رنگ کو خوب پختہ کر دیا ہے۔ فنِ سخن سے خداداد مناسبت ہے حضرت آصف  
 خاں مکان سے شرفِ تلمذ ہے۔ طرزِ جدید و قدیم دونوں میں طبع آزمائی فرماتے  
 ہیں۔ نظم و نثر کا مزہ و لطف انیف کے بچہ آپ کا دیوانِ نعیمہ موسوم بہ نگارِ رحمت



<p>حسین ہم درد لاکھوں میں کوئی اک آہ قتلہ          اگر یہ وہ دولی کا دور ہو جانا گا ہوں سے          کماں مکن ہر صبر و عشق دونوں کا ہم ہونا          نہ لیتا امتحان وہ بت اگر شیخ و برہمن کا          ہوا لاول ہو الاخر ہوا الظاہر ہو الباطن</p>	<p>عجب رہا کا اثر ہر ایک کے دل پر نہیں ہوتا          تو مجبوز کو نہ ہجر لیلیٰ محل نشیں ہوتا          جو یہ ہو وہ نہیں ہوتا جو وہ ہو یہ نہیں ہوتا          خدائی میں کسے پھر امتیاز کفر و دین تھا          یہ ظاہر ہے اگر مگر پھر بھی کہیں ظاہر نہیں ہوتا</p>
---	--

عبادت کے لیے بھی شاد و اطمینان لازم ہے  
 پریشانی میں کوئی کام ہو۔ دل سے نہیں بچتا

۸۵ بے نظیر شاہ

سید محمد بے نظیر شاہ واری۔ سال پیدائش ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء۔ عربی  
 فارسی کے فاضل ہیں۔ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ علم طب بھی پڑھا ہو۔ اس کے متعلق  
 آپ کو جدید نباتات کی تحقیقات کا شوق ہے۔ اہل وطن کو طمانک پو ضلع الہ آباد کو  
 مدرسے حیدر آباد میں قیام ہے۔ فن شعر میں خامی مہارت ہے۔ اردو و غزل میں  
 آپ مولانا وحید الدہ آبادی مرحوم سے مشورہ لیتے تھے۔ قصیدہ اورثنوی میں اکثر  
 منشی امیر احمد بنیائی سے اصلاح لی ہے۔ آپ کے کلام کا بہت بڑا حصہ ۱۸۹۰ء میں ایک  
 سفر کے دوران میں گم ہو گیا۔ ایک ثنوی اکلام جس میں جا بجا مناظر قدرت اور

دلِ اہلبیکینِ دل سے مجھے دفن کوئی کہیں | مری خاک بھی مری روح بھی تر ہو چکی جہاں

جو دنیا بیاں وہی مٹ کیا جو دنیا بیاں ہی بن گیا  
یہی بے نظیر روح ہو رہے عشقِ شعبان میں

کیوں اس قدر جہان کی خاطر پہاڑوں  
داغوں سے رنج و پاس کے میں لہ رہا ہوں  
کیا ہوگی اس غریب کی بے باقی چہن  
ہوں اس گلی کی خاک میں دل سپرے کنگے  
برہانہ کہے بھی مجھے اچھی جگہ ملی  
کر لیں گی خود اسیر مری نعمت سنجیاں  
آتے ہیں بلیوں کے دل سے شوقِ میکہ  
کیا شے ہو دروِ عشق مجھے کچھ خبر نہیں  
کیا کم ہے اجرِ حسرت دیدار کا ملا  
یاد آگئی وہ جنبشِ ابرو غضب ہوا  
بے ہوش ہو رہا ہوں خیالِ نگار میں  
چھپا ہوا سارے باغ پہ رنگِ فغاں ہوا  
ساتی جو بی ہو غیر کے ہاتھوں سے نوحہ عام

تیرا فراق ہوں نہ ترانتظار ہوں  
اس پر یہ داغ ہو تیری آنکھوں میں غار ہوں  
دعویٰ جہاں خزاں کو یہ پوچھ میں اپہوں  
ہر ذرہ کہہ رہا ہو کہ میں اک مزار ہوں  
دل سے ترے نکل نہ سکا وہ غبار ہوں  
صیا و گر ہو ایک تو میں بھی ہزار ہوں  
گھوڑے پر میں ہوا کے ابھی سے سوار ہوں  
کچھ تو مگر ضرور اسی جو بے قرار ہوں  
یہ بھی بہت ہی جو تیری آنکھوں میں غار ہوں  
ہر آنسو یہ کہتی ہو خنجر کی دھار ہوں  
التمس جواب میں کبھی ہوشیار ہوں  
اس سے عرض نہیں کہ خزاں میں ہوں  
مندی میں بھی یہ آن ہو پرستگار ہوں

نہ کہ ورت اپنی وفا میں ہو نہ غبار اپنی صفائیں ہی  
 اسے جس قدر بھی کسا گیا یہ کسوٹیوں پہ کھری رہی  
 جو تیز حال ہوا ہوئی۔ طلب سکوں بھی فنا ہوئی  
 نہ دماغ میں وہ جنوں رہا نہ خیال میں وہ پری رہی  
 وہ ملال تھا کہ کل گیا وہ خیال تھا کہ بدل گیا  
 مرے شکوے ایسے بھی نہ تھے جو طبیعت ان کی بھری ہو  
 مری فرد جرم کو دیکھ کر یہ خیال تھا کہ اٹھے نظر  
 یہی ایک شکل امید تھی وہی آج تک نظری رہی  
 تری تیغ بھی خضر تھی یہ اثر جو چل کے دکھا گئی  
 کوئی پنکھڑی گل زخم کی ہوئی خشک بھی تو بھری رہی  
 رہے باخبر تو نہ یہ لکھا کہ مال و غایت عشق ہی کیا  
 ہوئے بے خبر تو خبر ہوئی کہ خبر سے بے خبری رہی  
 کوئی حشر تک بھی نہ لکھ سکا مرے کار بد تو مہربا ہو  
 کہ قرار داد گناہ سے مری فرد جرم بری رہی  
 تری چشم مست کی یاد تھی مری روح نزع میں شاد تھی  
 کہ شراب گواہ میں پی سکا مرے سامنے تو دھری رہی

۲۱	اس سفر میں ہر قدم پر پل گیا توست نہیں تنگ تھا میدانِ عالم کی جنوں کو کس لیے	۲۱
۲۲	اس قدر ناکامیوں کا خوف تھا کہ اب آمد و شدیدین جہاں کی صرف دو دم کا ہوتی	۲۲

مٹ گئی یا بایں سے وہ بھی خربے نظیر  
کچھ نشان تھیں جن کی قبر کے اُدھر جاتے ہوئے

۲۸	ترے رخ پہ جم کر نظر رہ گئی ادھر رہ گئی یا اُدھر رہ گئی	۲۸
۲۹	ازل میں ہزارِ خام لکھا گیا نہ کچھ بھی رہا تو بھی سب کچھ رہا	۲۹
	کی کر گئی کیوں نگاہِ عتاب کبھی کہہ دیا تھا کہ مرتا ہوں	
	میں اٹھنے کو اٹھا تو اس بزم سے کما اُس نے دھوکے سے بایں پہ قدم	
	ادا سے وہ بھوکا کسے چلتے ہوئے پھنسی دل میں تیری سناں ڈوٹ کر	

یہی ہم سے اوفتنہ گر رہ گئی  
وفا کی شکایت مگر رہ گئی  
شبِ غم کی لکین سحر رہ گئی  
تیزی یا دُل میں مگر رہ گئی  
پہنچ کر سناں تاج مگر رہ گئی  
شکایت انھیں عمر بھر رہ گئی  
طبیعت وہیں بیٹھ کر رہ گئی  
تیری بات اسے چارہ گر رہ گئی  
قیامت مری جان پر رہ گئی  
یہ ظالم نہ رہتی مگر رہ گئی

# انتخابِ تنوٰی "الکلام"

۱۵۳ برسات کا سماں

ہکتی ہو پوسندھی سوندھی سی کیا  
ہوا صحن کا صحن پانی میں غرق  
ہی جاتی ہیں نالیاں زور سے  
کہ ہو تارِ سیس کی چلمن پڑی  
پہنچتی ہو کمروں کے اندر چھوڑ  
ہو اس وقت ارگن کا اس پرگمان  
کہ زائد بھی مئی کو ترستا ہو آج  
کہ جو بوند ہو ایک فوارہ ہو  
تو پودھے سروں کو جھکاتے ہیں آج  
ہوا کے ہیں گھوڑے پادِ سوار  
فلک پر سیست آیا ہو ابر  
برستی ہو کیا کیا گھٹا جھوم کر  
ہوا غسل سے ہر شجر کو فرغ

جو سوکھی زمیں پر ترشح ہوا  
گرہتے ہیں بادل چمکتی ہو برق  
گئی نیند اچھٹ پانی کے شور سے  
ٹپکتی ہو نیلگے کی وہ اوتلی  
ہوا زور سے چلتی ہو بار بار  
بنا ہو جو وہ ٹین کا سا بیان  
عجب بے سے پانی برستا ہو آج  
چٹانوں پہ کیا لطف نظارہ ہو  
صبا کے طپاخے جو کھاتے ہیں آج  
چلی آتی ہو بدلیوں کی قطار  
دھواں دھار اس وقت چھایا ہو آج  
اٹھی شاخ گل سبزہ کو چوم کر  
ہیں آراستہ سبز پوشانِ باغ

حاشیہ معاملات مار بڈانہ مضامین خوب ادا کرتے ہیں۔ امیر مینائی کے شاگردوں میں ممتاز ہیں۔ کلام میں شوخی کا پورا انداز نہی۔ کلمہ مشق ہیں۔ اب محمود آباد کی رسالت سے وظیفہ پاتے ہیں۔ اپنے وطن خیر آباد میں مقیم ہیں۔ دیوان زیر طبع ہے۔ سال پیدائش تقریباً ۱۸۷۴ء مطابق ۱۲۹۵ھ ہے۔ مؤلف کلام یہ ہے:-

### ۱۹۵ غزل

<p>تربت ہماری دیدہ مسرت چمن میں تھی          اُٹھ کر جب آسٹیاں تو غزناں گیا ہا رکیا          چننا نہ پھول ہانوں کے کانٹے نکالتا          صحرای کی دیکھ بھال بھی کچھ تھی مری سپرد          خم لے کے کنج باغ میں بیٹھے تھے چھپکے ہم          صیاد دھڑکڑا مجھے جنت سی "مگر"          پتھر ہاں جو باغ میں پھیلی تھیں پھول تھے          قید قفس میں جان بھی نکلی نہ ضعف سے          رہتا تھا ہم سے دور بہت شور باغباں          سامان سب نکلے آج خدا نے بچا لیا</p>	<p>محتاج چار پھولوں کی تربت چمن میں تھی          تنکوں سے آسٹیاں کے محبت چمن میں تھی          اے جو بن گل مجھے کہیں فرصت چمن میں تھی          تنکے چڑھ چمن کے یہ خدمت چمن میں تھی          زہر چمن سے دور یہ خلوت چمن میں تھی          جنت سے بھی سوا مجھے راحت چمن میں تھی          باد ہمار کی یہ شرارت چمن میں تھی          رکھی ہوا بخت میں جو غلط چمن میں تھی          آزاد یوں کی سچی مسرت چمن میں تھی          توبہ کے بعد کچھ مری نیت چمن میں تھی</p>
---	---

کل ہم لکے تھے دیکھ کے آنسو ٹپک پڑے  
 بے شمع گل ریاض کی تربت چمن میں تھی

# جلیل ۸۸

جلیل۔ حافظ جلیل حسن ابن مولوی حافظ عبدالکریم صاحب۔ مانگ پور  
ضلع الہ آباد کے رہنے والے۔ پچاس سال کے قریب عمر ہو۔ سال ولادت تقریباً  
۱۲۵۷ مطابق ۱۸۷۱ء میں سال کی عمر میں حضرت امیر بینا فی کے بمقام  
رام پور شاگرد ہوئے۔ تمام وکمال فیض انہیں سے حاصل کیا۔ اب ان کے نشین  
کھلتے ہیں۔ امیر اللغات کے دفتر میں عرصے تک سکریٹری رہ چکے ہیں۔ حیدرآباد  
میں بھی ملتی صاحب کے ہمراہ تھے۔ اس وقت سرکار نظام کے سلسلہ ملازمت  
میں داخل ہیں۔ نواب رضا حسرت جنگ کے خطاب سے سرفراز ہیں۔ دودویان  
شائع ہو چکے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

## ۱۹۰ غزل

درد دل مجھ کو دیا۔ تم کو مسیحا کر دیا  
دل کو نہ بدو داغ ماسر کو وقت سووا کر دیا  
آنکھ سے مارا لبنا زک سے زندہ کر دیا  
دل ہیہ کہتا ہے مجھے قطرے سے دیا کر دیا  
سب کو قدر ہے تیری جیون کا حصہ کر دیا

حسن و الفت ہیں خدا نے رلپ پیدا کر دیا  
خوب کی تقسیم تو نے لے لے خیال زلف یار  
جان لے لینا جلانا۔ کھیل ہے مشوق کا  
مجھ کو شکوہ ہے کہ دل کا خون قاتل نے کیا  
ناز ہو یا دلبری، افسوس ہوں جا دو گری

## (۸۹) اقبال شاعر

اقبال - شیخ محمد اقبال - ایم - اے شاعر ۶ مطابق ۱۸۷۷ء میں اپنے وطن سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ طرزِ جدید کے شعرائیں نامور ہیں۔ فارسی میں اعلیٰ درجہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ عربی اور سنسکرت میں بھی کسی قدر دخل ہے۔ انگریزی میں ایم اے پاس ہیں۔ تعلیم انگلستان اور جرمنی میں پائی۔ آپ کو ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری بھی مل چکی ہے۔ لاہور میں بیرسٹراٹ لاہیں۔ شاعری کا شغل بھی جاری رہتا ہے، غلط خیال اور پرہیز واز فکر ان کی شاعری کا سب سے بڑا وصف ہے۔ ان کا کلام رموزِ فطرت اور مناظرِ قدرت سے ان کی محبت کا پتہ دیتا ہے ان کا ریزانہ ملک بھر میں مشہور ہے۔

### ۱۹۹ ترانہ

مسلم ہیں ہم وطن ہو سارا جہاں ہمارا  
ہم اُس کے پاساں ہیں پاساں ہمارا  
خنجرِ لال کا ہے قومی نشان ہمارا  
مکان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا  
سو بار کر کچا ہے تو اتھاں ہمارا

چاہیں وہ عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا  
دنیا کے تنگدلوں میں پہلا وہ گھر خدا کا  
یتیموں کے سایہ میں ہم مل کر جاں بچیں  
توحید کی امانت سنیوں میں ہے ہمارے  
باطل سے جتنے والے اور آسمان نہیں ہم



یونان و مصر و روم اسٹیک گئے جہاں سے  
 اب تک گزری باقی نام و نشان ہمارا  
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہمارے  
 صدیوں رہا ہے دشمن دور جہاں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں	معلوم کیا کسی کو دردِ انساں ہمارا
------------------------------------	-----------------------------------

کبھی اے حقیقتِ منتظر - نظر آلباس مجاز میں ✓  
 کہ ہزاروں سجدے تڑپے ہیں مری جبینِ نیاز میں  
 نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی  
 مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نوازیں  
 نہ وہ عشق میں ہیں گرمیاں - نہ وہ جن میں شوقیاں  
 نہ وہ غزلوی میں مذاق ہو - نہ وہ خم ہر زلفتِ ایاز میں  
 تجھے کیا بتائے ہم نشین ہیں جو مزا ملا  
 نہ ملا مسیح و خضر کو بھی وہ نشاۃِ عمر دار میں  
 نہ بچا بچا کے تو رکھ لے ترا آئینہ ہی وہ آئینہ  
 جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

میں حکایتِ غم آرزو توحیدِ بیضا ماتم دلبری  
 مرا عیشِ غم مرا شہدِ غم مری بود ہم نفسِ عالم  
 تزا دلِ پریم گر و غم تزا دیں جریدہ کافری  
 تری را کہ میں ہی اگر بشر تو خیال فقر و غنا نہ کر  
 کہ جہاں میں ناںِ شعیب رہی مدارِ قوتِ جلدی  
 کوئی ایسی طرِ لطافت تو مجھے ہے چراغِ حرمِ تابا  
 کہ ترے پُتنگ کو بھر عطا ہو وہی شریعتِ بندگی  
 کلمہ بھائے وفا نہ کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہی  
 کسی تکیہ سے میں بیاں کروں تو کچھ ضم بھی ہری  
 کرم اے سٹھ عربِ عجم کہ کھڑے ہیں منظرِ کرم  
 وہ گدگد تو نے عطا کیا ہی جینیں دماغِ سکندری

۲۰۳ شکوہ

کیوں بیاں کاہنوں سود فراموشی ہوں  
 نالے بیل کے سنوں اور بہہ تن گوشِ نہیں  
 فکرِ فردا نہ کروں - مجھ غم دوش رہوں  
 ہم نہ میں بھی کوئی گلِ ہول کہ غلاموں ہوں

جزاآت آموز مری تابستان ہی مجھ کو  
 شکوہ اللہ سے خاکِ بہ دہن ہی مجھ کو

کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں	دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جیتی تھی جہانداروں کی	کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے	ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
سرکھٹ پھرتے تھے کیا؟ دہر میں دیکھتے لیے	مٹی نہ کچھ تیج نہ زنی اپنی حکومت کے لیے
پانوں شیروں کے بھی میدان اکھڑ جاتے تھے	مل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
تیج کیا چیز دی ہم تو پے اڑ جاتے تھے	جگہ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
شہر قہر کا جو تھا اس کو کیا سرکس نے	نوی کہہ دے کہ اکھاڑا دیکھ کر کس نے
کاٹ کر رکھ دیئے کھار کے لشکر کس نے	تورے مخلوق خداوند کے پیکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدہ ایران کو	کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ نیرواں کو
اور تیرے لیے زحمت کش بیکار ہوئی	کون ہی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی
کس کی "مکبیر" سے دنیا تری بیدار ہوئی	کس کی شمشیر جہاں گیر جہاں دار ہوئی

۹۱۵	برق کرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر
بہت صنم خانوں میں کہتے تھے مسلمان گئے منزل دہرے اذیتوں کے حدیثی ان گئے	ہر خوشی اُن کو کہ کبے کے نگہبان گئے اپنی نجلوں میں بائے ہوئے قرآن گئے
۹۱۶	خندہ زن کفر ہو۔ احساس تجھے ہی کہ نہیں؟ اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہی کہ نہیں؟
یہ شکایت نہیں ہیں اُن کے خزانے معبود قرنوبہ ہی کہ کافر کو ملیں عور و قصور	نہیں تھل میں محض بات بھی کرنے کا شعور اور بے چارے مسلمان کو فقط وعدہ
۹۱۷	اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں بات یہ کیا ہو کہ پہلی سی مدارات نہیں
کیوں مسلمانوں میں ہو دولت دنیا نایاب تو چاہے تو اٹھے سینہ دھرا سے حباب	تیری قدرست تو ہو وہ جس کی نہ پہنچتا رہر و دشت ہو سیلی زندہ موج سراپا
۹۱۸	طن اغیار ہو سوائی و ناداری ہی۔ کیا ترے نام پہرنے کا عرص غوری ہی
بنی اغیار کی اسچاہنے والی دُمینا ہم تو رخصت ہوئے اور وٹس بنھالی دُمینا	رہ گئی اپنے لیے ایکس خیا لی دُمینا پھر نہ کتنا ہوئی تو حید سے خالی دُمینا
۹۱۹	ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترانام ہے کہیں ممکن ہو کہ ساقی نہ رہے جام ہے
۹۲۰	

آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے	چھونک دی گرمی رخسار سے محفل تو نے
آج کیوں سیٹے ہمارے بھر رہا باد نہیں؟	ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟
دادی بچہ نہیں وہ شور و سلاسل نہ رہا	قیس دیوانہ لنگارہ محفل نہ رہا
حاصل وہ نہ رہے ہم نہ رہے اول نہ رہا	گھر بہا بھڑا ہو کہ تو رونق محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کئی وہ بعد ناز آئی	بے حجابانہ سوئے محفل ما با ز آئی
بادہ کش غیر میں گلشن میں کب جو بیٹھے	سنتے ہیں جام بہ کف نغمہ لکھو کو بیٹھے
دور نیگا مہ کلزار سے یک سو بیٹھے	تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو بیٹھے
پھر بنگلوں کو اتنی تیش اندوزی ہے	ہر قبہ دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے
قورم آوارہ عمارت تانہ کی پھر سوئے جان	لے اڑا بیل بے پروا مذاق پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں اڑتے ہیں	تو دنا چھوڑ تو دے تشنہ مضر باہر سنا
تجھے بتیاں ہیں تاروں کی ٹکٹک کے لیے	طور مضطر تو اسی آگ سے جلنے کے لیے
شکلیں اہمیت محرومی آساں کر دے	مور بے مایہ کو ہم دوش سلیمان کر دے
جنس ناباں محبت کو پھر ازاں کر دے	یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلمان کر دے

نغمہ ہندی ہو تو کیا! تو تجاڑی ہری	
۹۰ ناظر	

ناظر - چودھری خوشی محمد خاں بہادر خلع چودھری مولیٰ داد خاں - بہرا والا ضلع  
گجرات والا کے باشندے ہیں۔ سال پیدائش تقریباً ۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۷ھ -  
۱۹۰۷ء میں علی گڑھ کالج سے بی۔ اے پاس کیا۔ زمانہ طالب علمی سے شعر گوئی کا  
شوق تھا۔ فن سخن میں خواجہ حالی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ریاست کشمیر میں عہدہ گورنری  
ماور ہیں۔ غزل گو نہیں ہیں صرف حالیہ نظمیں لکھتے ہیں جو علو خیال کے لحاظ سے پسند کی  
جاتی ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے -

۲۰۴ جوگی	
----------	--

<p>سب چاند نسل سے ماند ہوئے خوشید کا نور طوبہا ہرادی وادی ایمن تھی۔ ہر کوہ چلوہ طور ہوا شمشاد و چہارستان رہے۔ ہر سر و سخن طوبہ رہا اشجار بھی وجد میں آئے لگے۔ دلکش و سماع طوبہا ہر یک گلشن میں آنگن ہیں فرش خجائے سمور ہوا اس حال میں ایک پہاڑی چٹان کا ناظر دیا نہ</p>	<p>کل صبح کے مطلع تاباں سے جب عالم بقیہ نور ہوا مستانہ ہوائے گلشن تھی جہانہ ادائے گلشن تھی حب باد صبا مضرب بنی بہر شاخ ہزار باغی سب طائر مل کر گلے لگے بوخان کی تانیں لگے نہر سے پہاڑ بچھاؤ تھی سادہ نرم سرو بچھاؤ تھی تھا دلکش منظر دشتِ دجل اور چال صبا کی مستان</p>
---	--

ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے۔ اس نگری سے منہ موڑ چکے  
 ہم حوزہ بنجیریں توڑ چکے۔ تم لاکے وہی پہناتے ہو  
 تم پوچا کرتے ہو دھن کی۔ ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی  
 ہم چوت جگاتے ہیں من کی۔ تم اس کو آکے بھجاتے ہو  
 سنسار سے یاں نکھ پھیرا ہو۔ من میں ساجن کا ڈیرا ہو  
 یاں آنکھ لڑائی پیتم سے۔ تم کس سے آنکھ ملاتے ہو  
 اس مست قلندر جو گئی نے جیبا ناظر پہ یہ عتاب کیا  
 کچھ دیر تو ہم خاموش رہے۔ پھر جوگی سے یہ خطاب کیا

\*\*\*

ہیں ہم پردیسی سیلانی۔ مت ناحت طیش میں آجوگی  
 ہم آئے تھے نیرے درشن کو۔ چتون پر میل نہ لا جوگی  
 آبادی سے منکھ پھیرا کیوں۔ پریت میں کیا ہو ڈیرا کیوں  
 ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہو نور خدا جوگی  
 کیا مسجد میں، کیا مدر میں، سب جلوہ ہو وجہ اللہ کا  
 پریت میں، نگری میں، ساگر میں، بہر انرا ہو ہر جا جوگی  
 جی شہر میں خوب بہلتا ہو۔ وال حسن پہ عشق مچلتا ہو  
 دال پریم کا ساغر چلتا ہو۔ چل کے دل بہلا جوگی

ہی پیٹ کا بوسہ دھیان نہیں۔ اور یاد نہیں بھگوان نہیں  
 سل پتھر اینٹ مکان نہیں۔ دیتے ہیں سکھی سے پھڑا بابا  
 تن من کو دھن میں گاتے ہو۔ پتہ کو دل سے بھلاتے ہو  
 مائی میں لک گنولتے ہو۔ تم بندہ حرص و ہوا بابا

دھن دولت آئی جانی ہو یہ دنیا رام کہانی ہو  
 یہ عالم۔ عالم فانی ہو۔ باقی ہو ذات خدا بابا

1927  
 1293  
 649

۹۱ احسن شاہ

1346  
 1293

۵۳۳

احسن۔ سید علی احسن خلیفہ حاجی سید مجتبیٰ احسن صاحب نقیبہ مارہرہ  
 ضلع ایٹک کے پیر زادوں میں ہیں۔ شوال ۱۳۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ کم سنی  
 سے شاعری کا شوق ہو۔ حضرت دانگ کے مشہور تلامذہ سے ہیں۔ فارسی میں خاصی  
 مہارت ہو۔ عربی میں بھی دخل ہو۔ رسالہ فصیح الملک آپ کی ادارت سے جاری  
 تھا نیزہ کلام یہ ہو:-

۲۰۵ غزل

اس عشق بد انجام لے رکھنا کہیں کا  
 لکھا ہوا مٹتا ہو کہیں لوح جہیں کا

دنیا کا بھروسہ نہ سہارا مجھے دیں کا  
 قسمت میں جو ہوتا ہی وہ ہو کر ہی ہے کا



علی گڑھ کل لکھ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی زمانہ غالب علی سے سن گونی کا  
شوقی ہو۔ شہید مکتوبی کے شاگرد ہیں۔ ان کا شمار پرگوشعرا میں ہو۔ اردو سے سن گونی  
نامی ماہوار رسالے کے ذریعے عرصہ تک زبان اردو کی خدمت کی چار دیواریں  
نٹال ہو چکے ہیں۔ دیوان غالب اردو کی شرح بھی لکھی ہو۔ ایک تذکرۃ الشعراء  
لکھنا شروع کیا تھا جس کے صرف چند حصے شائع ہو کر رہ گئے۔ عرصہ سے ان کے  
ادبی شوق پر سیاسی خیالات غالب ہیں۔

### ۲۰۷ غزل

<p>اک طرفہ تماشہ ہو حسرت کی طبعیت بھی رنگیں ہو اسی روم سے شاید غم فرقت بھی اے حسنِ حیا پرورہ شوخی بھی سرات بھی یاں نالہ مصطر کی جب بچھین تو توت بھی</p>	<p>ہو عشق سخن جاری چکی کی شفت بھی دل بس کہ ہو دیوانہ اُس حسنِ گلانی کا غو و عشق کی بینا بی سب تجھ کو کھائیگی رکھتے ہیں مے دل پر کیوں قسمت بینا بی</p>
---	---

ہیں شاد و صفی شاعر یا شوق و وفا حسرت  
پہم خنما من مشر ہیں اقبال بھی و شفت بھی



۱۰ بہر غزل ابہ حالت خید منظر میں لکھی گئی تھی

مری آنکھوں میں آنسو چھو بہا کر کیا کہہ سکیں گی	ٹھہر جائے تو انکارا ہی بہہ جائے تو دریا ہی
مری محرومیوں کا فیض طاری ہو گئے ہیں	بدن میں جہلو کی بوئیں غولِ تنہا ہی
عبارِ اشکِ غریبانِ حسرتِ پاس کے غنچہ	ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہی
نظر آئے ہیں دل میں کج پھر آنا رہتیابی	ہماری امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارہ ہی
شبِ فرست میں ہم ہر سانس سے پتھر پڑھیں	جگر تو خیر تیرا ہی مزاجِ دل تو اچھا ہی
یہ کیا کہتے ہو فانی سے کہ تیری موت آئی ہے	تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

## ۹۴ چکبست ۱۹۸۲ء

چکبست - برجِ نراین کشمیری پنڈت ہیں سداۓ مطابق سنتِ احمد ہیں بمقام  
فیض آباد پیدا ہوئے۔ وطن لکھنؤ ہے۔ کیننگ کالج لکھنؤ میں بی اے پاس کر کے ایل ایل  
بی کی ڈگری حاصل کی۔ لکھنؤ میں وکالت کرتے ہیں شاعری میں حضرت افضل سے ملند  
ہو رنگِ قدیم و جدید دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ناظم و ناشر ہیں۔ ان کی نظموں کا  
مجموعہ صبحِ وطن کے نام سے شائع ہوا ہے۔ آج کل ایک اردو رسالہ ”صبحِ ہیما“  
لکھنؤ سے نکالتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

۲۰۹ غزل

غزبانِ وطن کو غنچہ و برگ و ثمر جانا	خدا کو باغبانِ اور قوم کو ہم نے شجر جانا
اجل کی بنیادیں بھی خوابِ ہستی اگر نظر آتا	تو پھر کیا رہے تنگ اس دنیا سے مرجانا

آخرا سیر یاس کا قفل دہن کھلا	افسانہ شداد ریخ و سخن کھلا
اک دفتر منظم چرخ کفن کھلا	دانتھا دہان زخم کہ باب سخن کھلا
درد دل غریب جو صرف بیاں ہوا	نوں جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا
رو کر کہا نمون کھڑے کیوں ہو میری جان	میں عانی ہوں جس لیے آئے ہونم بہاں
سب کی خوشی ہی تو صحر اکو ہو رواں	لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں
کس طرح بن ہیں آنکھوں کے تارے کو بھیڑیں	جوگی بنا کے راج دلا رے کو بھیڑوں
دنیا کا ہو گیا ہی یہ کیسا امو سپید	اندھا کیے ہوئے ہی نہ رومال کی امید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید	سوچے بستر تو جسم ہو لڑاں مثال بید
کھٹی ہو کیا حیات ابدان کے واسطے	پھیلا رہے ہیں جال یکسٹن کے واسطے
لیٹی کسی فقیر کے گھر میں اگر حبس	ہو لئے نہ میری جان کو سامان یہ ہم
ڈوسٹانہ ساتپا بن کے مجھے شوکتا و ختم	تم میرے لال تھے مجھے کس سلسلہ سے کلم
میں خوش ہوں پہونائے کوئی اس تخت کو	تم ہی نہیں تو آگ گاؤں گی راج کو
کن کن ریاضتوں میں گئے ہیں ماہ و سال	دیگی تمہاری شکل چپ اکمیرے نو نال

	ثنائیہ نذران سے تسکین عیاں ہو بہا برکی اکچہ مصاحت اسی میں ہو پروردگار کی
ہوتا جو ہی سب اس کے بہانے میں لے کیا جانے کیا ہو پردہ قدرت میں جلوہ گر	چہل پہ فریب پس سازش پشور و نشر اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرد نظر
	خاص اس کی مصاحت کوئی ہچا نتا نہیں منظور کیا اسے ہو کوئی جا ستا نہیں
واجب ہر ایک رنگ میں ہو تسکیر کردگار ماتم کدہ میں دہر کے لکھوں ہیں سو گوار	راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار تم ہی نہیں ہو کشتہ نیز نگ روزگار
	سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کر طی نہیں دنیا میں کیا کسی پمیبست پڑی نہیں
جن سے کہ گینا ہوں کی عمریں ہویں خراب پیری ٹی کسی کی کسی کا مشا مشاب	دیکھ میں اس سے بڑھ کر مانے نے انقلاب سوز دروں سے قلب جگر ہو گئے خراب
	کچھ بن نہیں پڑا جو نصیب بگر طے گئے وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجر گئے
قائم یقین جن کے دم سے امیدیں بڑی بڑی ماری نہ جن کو خواب میں ہی بھول کی چھری	ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا بھر پڑی دامن پہ جن کے گرد بھی اُر کر نہیں پڑی
	محروم جب وہ گل ہوئے رنگ حیات سے

لیکن چپھول کھلتے ہیں صحرائیں بیشمار	موقوف کچھ ریاض بہائ کی بہار
دیکھو یہ قدرتِ حق آراءے روزگار	وہ ایزدِ برف و باد میں رہتے ہیں قرار
ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِّ کریم کا	
موجِ سمومِ نبی ہی جھونکا نسیم کا	
اپنی نگاہ ہی کرمِ کارِ ساز پر	صحرا چن بنے گا وہ ہی مہراں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر	رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے خبر
اس کا کرمِ شریک اگر ہی تو غم نہیں	
دامانِ دشتِ دامنِ مادر سے کم نہیں	
۹۵ عزیزِ سلسلہ ۱۸۸۲ء	
<p>عزیزہ - مرزا محمد بادی - ابن مرزا محمد علی صاحب - شرفا          لکھنؤ سے میں ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۸۲ء کو بمقام لکھنؤ          پیدا ہوئے - فارسی و عربی میں فزی استعداد ہیں - این آبادیانی اسکول          میں مدرس ہیں - اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں آپ کا کلام حقیقی          جذبات کا معیار رہی - علاوہ اور تصانیف کے دیوان اردو نگلدہ کے نام          سے شائع ہو چکا ہے - مژدہ کلام پیش کیا جاتا ہے -</p>	

نہ پوچھ اے عشقِ پرما یہ - حقیقت اُن کی سہتی کی  
 جو اپنے ساتھ اس دنیا کو بھی آزاد کرتے ہیں  
 نکالی جا رہی ہیں ہڈیاں کچھ قید خانے سے  
 اسیرانِ محبت کو وہ آج آزاد کرتے ہیں  
 بس ابلے روح - جلدی اپنے مرکز کی طرف پھر جا  
 فقط منتظر اس کا وہ کیا ارشاد کرتے ہیں

عدم کے قافلے ہم کو خبر دیتے ہیں آ آ کے  
 عزیزانِ وطن ہم کو عزیزِ اب یاد کرتے ہیں

تمام شد



۲۳۳	سیر	اٹھ ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوائے کام کیا
۱۲۸	مُنیر	آہ تصویر بت پیدا دگر کی ہر
۵۵	ذوق	آنکھیں مری تلو دل سے وہ لہا سے تو اچھا
۱۱۵	اسیر	آہ کب لب پر نہیں ہی داغ کب دل میں نہیں
۱۸	قایم	ایک جاگہ پہ نہیں ہوتے مجھے آرام کہیں
۲۶	جرات	ای دلایم ہوئے پا بند غم یا رکہ تو
۵۸	صبا	ای صبا جذب پر جس دم دل تاشا و آیا
۱۰۰	غالب	ای تازہ واردان بساط ہو اسے دل
۱۰۳	ذوق	ای جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
۱۵۹	داغ	ای فلک چاہیے جی بھر کے نظا را ہم کو
۱۶۳	حسن	ایک نظر مہر کی مجھ پر ساقی
۲۰۴	حالی	ای خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہی
۲۱۱	سمیع	ایام وصال بھی کتے کیا دن
۲۱۶	شاد	آئی حزاں بہار کا موسم نکل گیا
۲۲۲	اثر	ای نور سیدگان جو اتنی ذرا سُنو
		(ب)
۲۳۵	شاد	باوہ غم خانہ توحید کا خوش ہوں
۹۹	غالب	باز بچہ اطفال ہی دنیا مرے آگے
۱۷۳	راقم	بات کیونکر بنے اُمید بر آئے کیونکر
۱۲۱	دبیر	با تو پچھلے پہر اصغر کے لیے روتی ہی



(ث)

تبات بحر جہاں میں اپنا قہقشاں جاب کیا

ج

۱۶۰ داغ

۱۶۹ آزاد

۱۶۵ جلال

۲۱ میر

۱۲۱ ویر

۲۲۰ اثر

۱۲۱ اثر

۱۴۳ فطرت

۱۰ سودا

۲۳ میر

۸۳ رشک

۱۱۶ نظام

۱۲۵ مذاق

۲۱۰ اسمبیل

۲۴۲ بے نظیر

۶۶ خضر

۲۰۲ حالی

جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی قہقشاں گئے

جذب دل کھینچ اسے دست و گریبان ہو کر

جس سر کو غور آج ہی یاں تاج وری کا

جس سر پر چہ پہیلی تینے دو سر گئی

جفا پرور سے اسید و فاکیا

جفا میں ہوتی ہیں گھٹا ہو دم ایسا بھی ہوتا ہے

جلوہ تیرا راہ فنا میں

جمل غنچہ نوچن میں بند تبا کو کھوے

جو اس شور سے میر و تار سے گا

جو رنج نوشتہ میں ہے کیونکر نہ ملے گا

جو سرگزشت اپنی ہم کہیں کے کوئی سے گا تو کیا کرینگے

جو گرم ہے حسن اُس حسین کا نہ وہ پری کا نہ حوریں کا

جو بھلے بُرے کی اکل نہ مرا شعار ہوتا

جو سودھی نہ بین پر ترشح ہوا

جہاں ویرانہ ہے پہاڑ کبھی آباد گھریاں تھے

جیتے ہی مورت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز

(د)

۲۴۹	حلیل	دردِ دل لاکھوں اُن پہ اثر کچھ بھی نہیں
۱۸۹	بیخود	دردِ دل میں کسی نہ ہو جائے
۴۹	مومن	دفن جب گور میں ہم سوختہ سماں ہوں گے
۱۶۸	آزاد	دفتنا دیکھا کہ اک پیر کُن سال آئے
۷۶	انیس	دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھائے
۲۲	میر	دلِ عشق کا ہمیشہ حریفِ نبرد تھا
۹۲	غالب	دل ہی تو ہو نہ سنگِ خشک۔ درد سے بھر نہ آئے کیوں
۲۲۵	حافظ	دل کو حسرت آئی تھی کوتاہیِ تقدیر پر
۶	ولی	دل طلبگارِ نازِ زمزم ہوش ہر
۲۲۳	حافظ	دنیا تری قدرت کی قمار شافی ہو
۲۲۵	حافظ	دنیا سے ضرور کوچ کرنا اک روز
۲۶۶	احسن	دنیا کا کھوسہ نہ سہا رہتے دین کا
۷۷	انیس	دولت کوئی دنیا میں پس سے نہیں بہتر
۹۶	غالب	دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
۱۳۸	ادیب	دولتِ انسان نظر آتا ہو قلمِ محکوم
۱۹	سوز	دیکھ دل کو چھپر مت ظالمِ حسین دکھ جائے گا۔
۷۰	ظفر	دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اکٹھا وہ جو پردہِ سیاہی میں تھا نہ رہا
۲۲۷	منشی	(ذ) ذرا انصاف سے کہیے کہ بہت کس کی نرنگی

۲۱	شہیدی	شک گیسینے میں اس کے عوض دل ہوتا
۲۱۷	شاد	سہی کس نے ہر کون تیری ہے گا
۲۳۳	شہر	شبِ بلا و آتشیں سے بھی تیری میں کمی نہیں ہر
۲۲۸	مشقی	نہراب و ساقی و مطرب جھنیں یہ ہو نہیں سکتا
۵۸	صبا	شور جس کا ہر وہ ہو عشق جنوں زادل میں
۷۵	انہیں	نیر اٹھتے تھے مدخوف کے مارے کچھار سے
		(ض)
۱۴۹	امیر	ضبط کرنا دلِ حزیں نہ کہیں
		(ط)
۲۷۷	عزیز	طبقة خاک ہیں اک عالم پہاں نخل
		(ظ)
۱۰۰	غالب	ظلمت کدہ میں میرے شبِ عم کا جوش ہر
		(ع)
۱۶	حسن	عجب جال سے وہ چلے ناز نہیں
۶۲	اختر	عجب و قصب کی یہ تعمیر خراب آباد ہستی ہر
۸۸	غالب	عرضِ نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
۷۱	نسیم	عروس فکر رنگیں کو خیال آیا جوتڑپن کا
۲۷۰	چلبست	عزیزانِ وطن کو غنچہ و برگ و ثمر جانا

۱۰۸	شیفتہ	کل نغمہ گر جو مطرب جا دو ترانہ تھا
۱۲۷	بیان	کلیسا میں بت کی ادا بن گئی
۲۶۲	ناظر	کل صبح کے مطلع تا باں سے جب عالم بقیہ نور ہوا
۳۲	انشا	کر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
۱۹۶	حالی	کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے
۶۰	زند	کھلی ہی کج قفس میں مری زباں صیاد
۱۶۹	رائع	کہاں تھے نشب ادھر دیکھو چاکیوں پر گاہوں میں
۱۰۹	شیفتہ	کسا کل میں نے اسی مرابہ کناز
۲۲	میر	کیا کہوں کیسا ستم غفلت سے مجھ پر ہو گیا
۵۷	ذوق	کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت ولسے
۸۰	ناظم	کیا ہوا سرو قدوں - اب وہ تہا راعم و چم
۱۶۲	مشہد	کیا جانے رکے بال تھے مدت سے کیوں سپیا
۲۶۸	منشی	کیا حال پوچھتے ہو مجھ م شفتہ رنگ کا
۲۳۸	بے نظیر	کیوں اس قدر جہان کی خاطر پہ بار ہوں
۲۵۴	اقبال	کیوں زباں کار بنوں - سود فراموشی ہوں
۱۵۴	بحر و ج	کیا زینچا ہو خوش گلستان میں
		(گھر)
۳۰	مصطفیٰ	گھر سے جو اس کی نظر سے تو پھر کہاں کے ہوئے
۱۱۷	سر	گھر سے یاں باتھ میں ہی پانوں میں صحر اکا داماں ہو
۱۰۵	امیر	گھر سے غار لے شیشیوں کی یادگار ہوں میں

۱۱۹	ساک	مری خاطر میں کب ساقی تر پہانہ آتا ہے
۲۶۹	فانی	مری میت پہ ان کا طرز ماتم کس بلا کا ہے
۵۸	صبا	معتقد ہوں بلوغ عالم کی ہوا و چار دن
۳۲	انت	مغلسی سب بہا بھگونی ہے
۱۹۶	حالی	ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا
۶۰	زند	ملتی ہے خوبے یار سے نار التہاب میں
۱۶۰۳	غالب	منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
۱۰۲۲	جیا	موت ہی چارہ سازِ فرقت ہے
۸	جرات	میرے ہونے سے تو کچھ گرمی بازار نہیں
۱۹۰	آزاد	ناگہ فلک پہ دامنِ شب چاک ہو گیا
۹	سودا	نیم ہے ترے کوچہ میں اور صبا بھی ہے
۱۰۵۲	احمدی	نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یارب نے نشاں ہو کر
۲۳۱۶	غالب	نکو ہوش ہے سزا - فریادیں بیدار دلہری
۲۵۱۳	ورد	یہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
۵۴	غالب	نہ کھٹا کچھ تو خدا تھا - کچھ نہ ہوتا - تو خدا ہوتا
۷۷	بے نظیر	نہ رہا حجاب نیاز بھی جو نگاہِ اہل نیاز میں
۳۱۰۹	بے نظیر	نہ رہے اکیلے جنوں میں بھی بے لاشیں ہم سفری رہی
۵۳	اقبال	نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
۱۰	سودا	نہ بے ل چمن نہ گل - انود میدہ ہوں

ہوئی ربیعان جوانی کی بہارِ آخرِ حیات  
ہر کچھ دھوپ کا عکس کہنسا رہ  
ہر مشتاقِ سخن چارہ کی مشقتِ سبھی

(ی)

یا خدا دل میں غم یار کی بھائی ہو  
یار جو تاجِ کج پہاں آئینہ کا ہو  
یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا  
یہ دل آشنا اور نا آشنا ہو  
یہ رنگِ الفتِ گرنہ ہوتا تو کچھ خدائی میں کم ہوتا  
یہ کہہ کے رخصتِ دل لے اُن کے حجاب میں  
یہ موجودہ طریقے راہی ماسکِ عہدِ مہوں گے  
یہ نورِ ہر رو سے مہم ہیں تاکہ ہو محفلِ چاند چودھویں کا  
یہ نہ بھٹی ہمارے قسمت جو د سالِ یار ہوتا  
بہی نہیں ہر کہ دل کی دھڑکن رہے گی جب تاکِ جار ہے گو

تہام شہد

